ماہنامہ مجلّہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

امام حسین ابن علیؓ کی شہادت عظمیٰ فی الحقیقت حق وصداقت آزادی وحریت
امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان انسانی قربانی تھی جو صرف اس لئے ہوئی
تاکہ پیروان اسلام کے لئے جہاد حق وعدالت اور اس کے ثبات واستقامت کے لئے ایک
کامل ترین مثال قائم کردے۔ (مولانا ابوالکلام آزاد)

[illegible]

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

شمارہ ۳-۲	ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ فروری و مارچ ۲۰۰۱ء	جلد نمبر ۱۷

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

معاون مدیر

انیس احمد فلاحی مدنی

- سالانہ زر تعاون : ۵۰ روپے
- خصوصی زر تعاون : ۱۰۰ روپے
- بیرون ملک : ۲۵ امریکی ڈالر
- طلبہ کے لیے : ۴۰ روپے
- اعزازی زر تعاون : ۱۰۰۰ روپے
- قیمت فی شمارہ : ۶ روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے
لہٰذا بعجلت از جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ مجلہ حیات نو۔ جامعۃ الفلاح

بلریاگنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱

✆ : 05466-25115

نقوش حیات نو

○ اداریہ

فاعتبروا یا اولی الابصار — انیس احمد فلاحی — ۳

○ بحث و نظر

نماز تہجد — ولی اللہ مجید قاسمی — ۷

حاشیہ شبیر احمد عثمانی اور نظم قرآن — ابو سوفی فلاحی — ۱۱

اسلامی تحریکات کی ترجیحات — حفظ الرحمٰن شہباز ندوی — ۱۵

○ مذاہب عالم

ہندو دھرم (۲) ویدک تعلیمات

اپنشد، پران — انیس احمد فلاحی — ۳۰

○ فقہ و فتاویٰ

حج و عمرہ کے بعض مسائل — ولی اللہ مجید قاسمی — ۳۸

○ شعر و نغمہ

○ جامعہ کے لیل و نہار

ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی صاحب کا خطاب عام — ادارہ — ۴۰

پروفیسر اختر الواسع صاحب کا لیکچر

جامعہ کے دو بزرگ اساتذہ بیت اللہ کے لیے روانہ — ۴۱

۲۰۰۰ء کے ممتاز طلبہ

اشتہار تعزیت

اعلان عام

○ روداد انجمن

تقریب کی تعارفی نشست — محمد آزرم فلاحی — ۴۵

طلبہ قدیم متوجہ ہوں — ۴۸

فاعتبروا یا اولی الابصار

انیس احمد فلاحی

۲۶ جنوری کو گجرات اور بھج کے علاقے میں آئے ہوئے زلزلے اور اس کی تباہیوں سے ہر خاص و عام واقف ہے۔ زلزلہ زمین کا غضب اور مضبوط انسانی بستیوں کا چند لمحوں میں تباہ و برباد ہو جانا قدرت کو بنی آدم پر عذاب و عتاب ہے۔ جب سودی کاروبار عام ہو جاتا ہے۔ ظلم و زیادتی بڑھ جاتی ہے۔ ناچ اور گانے کی محفلیں سجنے لگتی ہیں۔ انسانیت بہیمیت اور حیوانیت میں تبدیل ہو جاتی ہے تو عبرت اور تنبیہ کے لئے اللہ رب العزت زمین کو حکم دیتے ہیں اور وہ لرزنے لگتی ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے :

عن انس بن مالك قال دخلت على عائشة و رجل معها فقال الرجل يا ام المومنين حدثينا عن الزلزلة فقالت إن المرأة إذا خلعت ثيابها في غير بيت زوجها هتكت ما بينها و بين الله عز و جل من حجاب وإن تطيبت بغير زوجها كان عليها ناراً و شناراً فإذا استحلوا الزنا و شربوا الخمور بعد هذا و ضربوا المعازف غار الله في سمائه فقال للارض تزلزلي بهم فإن تابوا و نزعوا وإلا هدمها عليهم. (ج۴/۵۱۶)

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے زلزلے کی بابت پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: کہ عورت جب غیر مرد کے گھر میں اپنے کپڑے اتارے تو وہ اپنے اور اللہ کے درمیان کا حجاب تار تار کر دیتی ہے، اسی طرح عورت جب غیر مرد کے لئے خوشبو کا استعمال کرتی ہے تو اس وقت اس کے حق میں آگ بھڑک اٹھتی ہے اور جب لوگ زنا کو حلال سمجھ لیں اور کھلم کھلا شراب پینے لگیں اور ناچ گانے کی محفلیں سجانے لگیں تو اللہ کی غیرت جوش میں آتی ہے اور وہ زمین کو حکم دیتے ہیں کہ تم ہلنے لگو۔ اگر لوگ توبہ کر کے باز آجائیں تو خیر ورنہ اللہ زمین کو ان کے اوپر گرا کر سب کو تباہ کر دیتا ہے۔

سنن ترمذی میں ہے:

عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ إذا اتخذ الفئ دولاً والأمانۃ مغنماً والزکاۃ مغرماً وتعلم لغیر الدین واطاع الرجل إمرأتہ و عق امہ وادنی صدیقہ و اقصی اباہ و ظھرت الاصوات فی المساجد وساد القبیلۃ فاسقھم و کان زعیم القوم أرذلھم واکرم الرجل مخافۃ شرہ وظھرت القینات والمعازف و شربت الخمور ولعن آخر ھذہ الأمۃ اولھا فلیرتقبوا عند ذلک ریحاً حمراء و زلزلۃ و خسفاً و قذفاً وآیات تتابع کنظام بال قطع سلکہ فتتابع (کتاب الفتن باب ۳۸، حدیث رقم ۲۲۱۱)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مال غنیمت غیر مستحق لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچنے لگے اور امانت مال غنیمت بن جائے، زکوٰۃ قرض کی طرح ہو جائے، علم دنیا کے لئے سیکھا جائے، مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرنے لگے اور اپنی ماں کی نافرمانی کرنے لگے، اپنے دوست کو اپنے قریب کرلے، اپنے ماں باپ کو دور کردے، مساجد میں لڑائی جھگڑوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور قبیلے کی سرداری ان کا فاسق و فاجر کرنے لگے، قوم کا رہنما ان میں کا ذلیل آدمی ہو، اور آدمی اس کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جائے، گانے جانے والی عورتیں اور موسیقی کے آلات عام ہو جائیں، شراب عام طور پر پی جانے لگے، امت کے پچھلے لوگ پہلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں تو اس وقت سرخ آندھی اور زلزلے، زمین کے دھنسنے اور صورتوں کے مسخ ہو جانے اور دوسری بہت سی نشانیوں کا اسی طرح سلسلہ وار انتظار کرو جیسے موتیاں ہار کے دھاگے ٹوٹ جانے سے یکے بعد دیگرے گرنے لگ جائیں۔

زلزلہ ہم کو قیامت کے امکان سے بھی باخبر کرتا ہے۔ زمین کا اندرونی حصہ نہایت گرم سیال کی شکل میں ہے جس کا مشاہدہ آتش فشاں پہاڑوں سے نکلنے والے لاوا کی شکل میں ہوتا ہے۔ یہ مختلف شکلوں میں زمین کو متاثر کرتا ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات زمین کے اوپر زبردست گڑگڑاہٹ کی آواز محسوس ہوتی ہے اور شگاف کی وجہ سے جھٹکے پیدا ہوتے ہیں اسی کا نام زلزلہ ہے۔

زلزلہ دراصل چھوٹے پیمانے کی قیامت ہے جب وحشت انگیز گڑگڑاہٹ کے ساتھ زمین پھٹ جاتی ہے۔ جب بلند مکانات تاش کے پتوں کے گھروندوں کی طرح گرنے لگتے ہیں جب زمین کا اوپری حصہ دھنس جاتا ہے اور اندرونی حصہ اوپر آجاتا ہے۔ جب آباد ترین شہر چند لمحات میں وحشتناک کھنڈر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جب انسان کی لاشیں اس طرح ڈھیر ہو جاتی ہیں جیسے مری ہوئی مچھلیاں زمین کے اوپر پڑی ہوں۔ یہ زلزلہ کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ قدرت کے مقابلہ میں کس قدر بے بس ہے۔ یہ زلزلے بالکل اچانک آتے ہیں۔ درحقیقت زلزلے کا بھید اس امر میں پوشیدہ ہے کہ کوئی بھی شخص یہ پیشین گوئی نہیں کر سکتا کہ زلزلہ کب اور کہاں آئے گا۔ یہ زلزلے گویا اچانک آنے والی قیامت کی پیشگی اطلاع ہیں۔ یہ ہمیں بتاتے ہیں کہ زمین کا مالک کس طرح زمین کے موجودہ نظام کو توڑنے پر پوری طرح قادر ہے۔ ہر طرح میں آیا ہوا یہ زلزلہ ہمیں اس آخری زلزلے کی یاد دلاتا ہے جس کی نہایت حسین تصویر سورۃ حج میں ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے:

﴿یا ایھا الناس اتقوا ربکم إن زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم یوم ترونھا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت و تضع کل ذات حمل حملھا و تری الناس سکاری وما ھم بسکاری ولکن عذاب اللہ شدید﴾ (الحج: ۲)

لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک عظیم حادثہ ہوگا۔ جس دن تم اس کو دیکھو گے اس دن حال یہ ہوگا کہ تمام دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والی عورتوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تم کو متوالے نظر آئیں گے مگر وہ متوالے نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی اتنا بھیانک اور شدید ہوگا کہ اس کو دیکھ کر لوگ مدہوش نظر آرہے ہوں گے۔ ☆

نماز تہجد

رحمن اللہ قاضی

آخری رات کے پرسکون اور سناٹے کے ماحول میں جب کہ اللہ کی رحمت خاص بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے قدسی صفت بندے اپنے رب سے راز و نیاز میں مصروف ہو جاتے ہیں ۔خدا کی معرفت کا ادراک ان کی روح کو سرشار کر دیتا ہے ایک لگن اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے یعنی چسکی پڑ جاتی ہے کہ اس کے بغیر پوری دنیا ویران سی لگتی ہے اپنے پروردگار کے حضور سجدۂ شوق کا نذرانہ پیش کئے بغیر چین نہیں ملتا۔ رب کائنات بھی اپنے چنیدہ بندوں کا تذکرہ کچھ ایسے انداز میں کرتا ہے کہ کام و دہن ایک انوکھی لذت سے شاد و سرشار ہو جاتے ہیں۔ جب مثالی مومنوں کا تذکرہ آتا ہے تو بات پوری نہیں ہوتی جب تک اس طرح کے الفاظ نہ آجائیں کہ :

الذین یبیتون لربہم سجداً و قیاماً [1] — اور اپنے رب کے لئے رات سجدہ و قیام میں گزار دیتے ہیں۔

تتجافی جنوبہم عن المضاجع یدعون ربہم خوفاً و طمعاً [2] — ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں، اپنے رب کو خوف و امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔

کانوا قلیلاً من اللیل ما یہجعون [3] — وہ راتوں میں بہت کم سویا کرتے ہیں۔

اپنے پیارے رسول محمد ﷺ کو تہجد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

ومن اللیل فتہجد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک مقاماً محموداً [4]

اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھئے تمہارے لئے بطور نفل ہے۔ ممکن ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے۔

اس آیت میں تہجد کے حکم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو مقام محمود کی امید دلائی گئی ہے۔ مقام محمود آخرت میں شفاعت کبریٰ کا منصب ہے۔ جب کہ جس گھڑی نفسی نفسی کا عالم ہوگا اس موقع پر رسول اکرم ﷺ رب کائنات کے حضور سجدہ ریز ہو کر شفاعت کی درخواست رکھیں گے اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ جنت میں بلند ترین مرتبہ کا نام مقام محمود ہے۔ دنیا میں مقام محمود کیا ہے اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں

"حسن و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر خلائق کی عالمگیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی۔ کوئی زمانہ ہو، کوئی نسل ہو، کوئی ملک ہو لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہوگی، لاکھوں زبانوں پر اس کی مدحت طرازی ہوگی...... یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے، اس سے بڑھ کر انسانی عظمت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی سعی و ہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ کر جا سکتی ہے لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے۔" [5]

مذکورہ آیت میں مقام محمود کا تذکرہ تہجد کے ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نماز اور مقام محمود میں ایک گونہ نسبت اور تعلق ہے اور امتیوں میں سے بھی جو لوگ اس نماز کو پڑھتے رہیں گے انہیں مقام محمود میں کسی درجہ کی اللہ کے رسول ﷺ کی رفاقت میسر ہوگی۔

حدیث میں فرض نماز کے بعد سب سے افضل اسی نماز کو قرار دیا گیا ہے۔[6] نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے "تم رات کی نماز کو اپنے لئے لازم کر لو کیوں کہ وہ تم سے پہلے کے نیکوکار لوگوں کا طریقہ رہا ہے اور اللہ سے نزدیکی کا ذریعہ ہے۔ گناہوں کو مٹانے اور برائیوں سے روکنے والی ہے۔[7] ایک دوسری حدیث میں ہے "اللہ اپنے بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری درمیانی حصہ میں ہوتا ہے اس لئے اگر تم سے ہو سکے تو ان لوگوں میں شامل ہو جاؤ جو اس وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں۔[8]

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "لوگو سلام کو رواج دو، کھانا کھلاؤ، رشتہ داریوں کو جوڑو اور جب لوگ سو رہے ہوں اس وقت نماز پڑھو جنت میں بہ سلامت داخل ہو جاؤ گے۔"[9]

نماز تہجد سے نبی کریم ﷺ کو کس قدر شغف تھا؟ اس کا اندازہ ذیل کی حدیث سے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں رات میں آپ ﷺ اس قدر طویل نماز پڑھتے کہ اس کی وجہ سے قدم مبارک پر ورم آ جاتا، آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ کی اگلی اور پچھلی تمام لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ رسول مقبول ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟[10]"

آنحضور ﷺ اس نماز کے اس قدر دلدادہ تھے کہ سفر میں ہوں یا حضر پہ کبھی بھی ترک نہ فرماتے۔[۱۲] کسی وجہ سے رات میں نہ پڑھ سکتے تو دن میں قضا کر لیتے۔[۱۳] تہجد صحابہ کرامؓ کی شناخت اور پہچان بن چکا تھا۔ چنانچہ بادشاہ روم ہرقل کے سامنے صحابہ کرامؓ کا تعارف ان لفظوں میں کرایا گیا "فی اللیل رهبان و فی النهار فرسان" "وہ رات میں عبادت گذار اور دن میں شہسوار ہیں"۔ تہجد اولیائے کرام اور بزرگان دین کا معمول رہا ہے، صوفیا کا کہنا ہے کہ تہجد کے بغیر کوئی درجہ ولایت کو نہیں پہونچ سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ تہجد ایک عظیم نعمت ہے روحانی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ، قرب الٰہی کا وسیلہ، اور دل کو تروتازہ، شگفتہ اور گرم رکھنے کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ جسے اس لذت کا ادراک ہو جائے اس کے سامنے ساری دنیا کی دولت ہیچ ہے۔ اس کے لئے اس وقت آرام کی نیند کا سونا کانٹے کے بستر پر سونے کے مترادف ہے۔

ابتدائے اسلام میں یہ نماز فرض تھی بعد میں یہ حیثیت ختم کر دی گئی۔[۱۴] اس لئے اب یہ نماز فرض نہیں لیکن نبی کریم ﷺ کی اس نماز پر ہمیشگی اور قرآنی انداز بیان نیز صحابہ کرامؓ کے طرز عمل کے پیش نظر اس کی قانونی حیثیت سنت مؤکدہ سے کم نہیں۔[۱۵]

وقت

تہجد کا وقت عشاء کے بعد سے صبح صادق تک ہے، البتہ جو شخص رات کا ایک تہائی حصہ تہجد میں گذارنا چاہے اس کے لئے افضل اور بہتر ہے کہ رات کے تین حصے کرکے درمیانی حصہ میں تہجد پڑھے اور اول و آخر میں آرام کرے۔ اگر آدھی رات عبادت میں گذارنا ہو تو آخری نصف میں تہجد پڑھنا اچھا ہے۔ بعض حضرات کی رائے میں رات کے چھ حصے کرکے تین حصوں میں آرام مناسب ہے۔ اور پانچواں حصہ نماز میں مشغول ہو اور پھر چھٹے حصہ میں آرام کرلے۔[۱۶] اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز داؤد کی نماز ہے اور سب سے محبوب روزہ داؤد کا روزہ ہے، وہ آدھی رات تک سوتے اور تہائی رات نماز پڑھتے پھر چھٹے حصہ میں سوتے تھے اور ایک دن ناغہ کرکے روزہ رکھا کرتے تھے۔[۱۷]

سنت یہ ہے کہ عشاء پڑھ کر سو رہے اس کے بعد اٹھ کر تہجد پڑھے۔ تہجد سے متعلق عملی طور پر آنحضور ﷺ سے یہی منقول ہے تاہم اگر آنکھ نہ کھلنے کا اندیشہ ہو تو عشاء کی نماز کے

بعد دو یا دو سے زائد رکعتیں تہجد کی نیت سے پڑھ کر سو رہے اور رات میں اٹھ کر تہجد پڑھنے کا پختہ عزم بھی ہو، اگر نیند فوت جائے تو بہتر ہے ورنہ کوئی بات نہیں، رات میں قیام کا ثواب انشاء اللہ ملے گا۔ حدیث میں ہے کہ سفر مشقت اور گرانی کا نام ہے، اس لئے جب تم وتر پڑھ لو تو اس کے بعد دو رکعت بھی ادا کرلو۔ پس اگر رات میں اٹھ جاؤ تو بہتر ہے ورنہ یہ رکعتیں کافی ہو جائیں گی۔[۱۸]

تعداد رکعت

تہجد کم سے کم دو رکعت ہے۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔[۱۹] حدیث میں ہے کہ جب کسی نے رات میں اپنی بیوی کو جگایا اور دونوں نے دو رکعت نماز پڑھ لی تو اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والوں میں ان کا شمار ہوگا۔[۲۰] تاہم عملی طور سے رسول اللہ ﷺ سے کم از کم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعت پڑھنا ثابت ہے۔[۲۱] لہٰذا کم سے کم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعت پڑھنا مسنون اور بہتر ہے۔

قرأت

رات کی نماز میں آواز سے قرأت کرنا بھی جائز ہے اور آہستہ پڑھنے کی بھی اجازت ہے۔[۲۲] حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ رات میں کیسے قرأت کرتے تھے؟ فرمایا: کبھی آہستہ پڑھتے اور کبھی آواز سے۔[۲۳] لیکن عام حالات میں جب کہ کسی کو تکلیف نہ ہو درمیانی آواز سے قرأت کرنا بہتر ہے، نہ زیادہ پست اور آہستہ ہو اور نہ زیادہ تیز، حضرت ابو قتادہ راوی ہیں کہ ایک رات اللہ کے رسول ﷺ باہر نکلے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ ہلکی آواز میں پڑھ رہے ہیں اور حضرت عمرؓ بلند آواز میں، یہ دونوں حضرات جب آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ میں رات تمہارے پاس سے گذرا تو دیکھا کہ تم پست آواز میں قرآن پڑھ رہے ہو۔ انھوں نے کہا اللہ کے رسول جس سے میں سرگوشی کر رہا تھا اسے سنا دیا۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا اپنی آواز کو تھوڑا بلند کرو، پھر حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوئے اور کہا عمر میں نے تمہیں خوب بلند آواز سے قرأت کرتے دیکھا، انھوں نے کہا یا رسول اللہ میں قرأت کے ذریعہ غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو بیدار کرنا اور شیطان کو بھگانا چاہتا ہوں۔ آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی آواز کو قدرے پست کرلو۔[۲۴]

جماعت

اس مسئلہ پر تفصیلی بحث آئندہ نفل کی جماعت کے عنوان سے ہوگی۔ موقع کی مناسبت سے مجدد الف ثانی کے ایک چشم کشا تحریر پیش ہے وہ فرماتے ہیں:

افسوس صد افسوس کچھ ایسی بدعتیں جن کا دوسرے سلاسل میں نام و نشان تک نہیں تھا اس عظیم المرتبت سلسلہ نقشبندیہ میں رواج پاگئی ہیں۔ نماز تہجد جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یہ عمل مکروہ تحریمی ہے۔ فقہاء کی ایک جماعت جن کے نزدیک مکروہ ہونے کے لئے لوگوں کو بلانا "تداعی" شرط ہے ان کے یہاں بھی ضروری ہے کہ وہ جماعت مسجد کے کسی گوشہ میں ہو اور تین آدمیوں سے زیادہ نہ ہوں اس لئے کہ تین آدمیوں سے زیادہ کی نفل باجماعت باتفاق مکروہ ہے۔[۲۵]

اذکار و دعائیں

رات کے آخری حصہ میں اللہ کی رحمت خاص اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے دعاوں کی قبولیت کی گھڑی ہے اس لئے اس وقت دعا و استغفار کا اہتمام کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو اس وقت مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔[۲۶] اور حدیث میں ہے کہ: ہمارے رب رات کے آخری تہائی حصہ میں آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اسے نوازوں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اسے معاف کردوں۔[۲۷]

اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں" اس جملے کی تشریح میں علما کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس کی کیفیت سے صرف اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہیں، ہماری عقل و فہم اس کیفیت کے ادراک سے قاصر ہے۔ اکثر اسلاف کا یہی رجحان ہے۔ کچھ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے "کہ نزول سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت خاص کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہونا ہے۔[۲۸]

حضرت عبادہ بن صامت، اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی

رات میں اٹھ کر یہ کلمات کہے:

لا الٰه الا اللّٰه وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير، و سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا اله الا اللّٰه واللّٰه اكبر ولا حول ولا قوة الا باللّٰه" پھر مغفرت طلب کرے (اللهم اغفر لی) پڑھے یا دعا کرے تو دعا قبول ہوتی ہے۔ اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو مقبول ہوتی ہے۔[۲۹]

تہجد کی پابندی

کسی بھی اچھے عمل کو شروع کرنے کے بعد اس پر مداومت اور ہمیشگی بہتر ہے۔ خاص کر نماز تہجد کی کوشش بھر پابندی کرنی چاہئے۔ رسول ﷺ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کو مخاطب کر کے فرمایا: عبداللہ تم اس شخص کی طرح نہ ہو جاؤ جو رات رات میں نماز پڑھا کرتا تھا مگر پھر چھوڑ دی۔[۳۰]

تہجد کے لئے پختہ عزم اور بیدار ہونے کی تمام تدبیریں کرنی چاہئیں اس کے باوجود کسی وجہ سے آنکھ نہ کھلی تو تہجد پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ حضرت ابو درداء رسول اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی رات میں نماز پڑھنے کی نیت کر کے سوئے پھر اس کی آنکھیں نہ کھلیں یہاں تک کہ صبح ہوگئی تو اس کے لئے وہی لکھا جائے گا جس کی اس نے نیت کی ہے اور اس کی نیند اللہ کی طرف سے صدقہ ہے۔[۳۱]

قضا

نیند نہ کھلنے یا کسی بیماری کی وجہ سے تہجد چھوٹ جائے تو فجر اور ظہر کے درمیانی حصہ میں قضا کر لینا مسنون ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی رات کی نماز بیماری یا نیند کی وجہ سے رہ جاتی تو آپ دن میں بارہ رکعت پڑھ لیا کرتے تھے۔[۳۰] حضرت عمر فاروقؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی نیند کی وجہ سے اپنے مقررہ وظیفہ کو نہ پڑھ سکا یا اس کو مکمل نہ کر سکا پھر فجر اور ظہر کے درمیانی حصہ میں پڑھ لے تو اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ رات میں پڑھنے پر ملتا۔[۳۲]

واضح رہے کہ طلوع فجر کے بعد نماز فجر سے پہلے اور ایسے ہی نماز فجر کے بعد تہجد کی

قضا کر دی ہے، البتہ اگر طلوع فجر سے پہلے شروع کیا اور کچھ طلوع کے بعد کی تو اس کی گنجائش ہے، بہتر افضل یہ ہے کہ نماز مکمل کرے۔[۳۳]

گھر والوں کو جگانا

کسی خوشی کے موقع پر تمام گھر والے شریک ہوں تو یہ مسرت جشن میں تبدیل ہو جاتی ہے، اس موقع پر اگر کوئی محروم رہ جائے تو کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ لہٰذا جشن کرکے تمام گھر والوں کو شامل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تہجد کے سلسلہ میں بھی رسول مقبول ﷺ نے یہی درس اور پیغام دیا ہے کہ جس حد تک ہر ایک کو اس خدائی انعام اور نوازش و برکات میں شامل کرنا چاہیے، ارشاد ہے:

رحم الله رجلاً قام من الليل فصلى وأيقظ امرأته فصلت فإن أبت نضح في وجهها الماء، رحم الله امرأة قامت من الليل فصلت وأيقظت زوجها فصلى فإن أبى نضحت في وجهه الماء۔[۳۴]

اللہ اس مرد پر رحمت نازل کرے جو رات کو اٹھا نماز پڑھی اپنی بیوی کو بھی بیدار کیا اور اس نے بھی نماز پڑھی، اگر بیدار ہونے سے انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی چھڑکے اور اللہ اس عورت پر رحمت نازل کرے جس نے رات میں اٹھ کر نماز پڑھی اپنے شوہر کو بیدار کیا اور اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر اٹھنے سے انکار کیا تو اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا دے کر بیدار کیا۔

واضح رہے کہ تہجد کے لئے دوسروں کو جگانا اسی وقت درست ہے جب کہ معلوم ہو کہ وہ اس عمل سے خوش ہوگا، اسے کوئی گرانی نہیں ہوگی، اور بیدار کرنا کسی قسم کی کشیدگی اور ناگواری کا باعث نہ ہوگا۔[۳۴]

تہجد پڑھتے ہوئے نیند آنے لگے

جب تک ذوق و شوق ہو بدن میں چستی اور نشاط ہو تہجد میں مشغول رہنا چاہیے، اگر اکتاہٹ محسوس ہو، طبیعت سست پڑ جائے تو تھوڑی دیر لیٹ کر آرام کر لینا چاہیے، دوبارہ نشاط پیدا ہو جائے تو تہجد شروع کردے ورنہ سو جائے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب تک نشاط باقی رہے نماز پڑھنا چاہیے اور جب سستی محسوس ہو جائے تو چاہیے کہ لیٹ جائے۔[۳۵] نیند کا غلبہ ہو، آنکھیں بند ہو جائیں، اونگھ لگے تو اس وقت بھی جا کر سو رہنا بہتر ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب نماز پڑھتے میں تمہیں اونگھ آنے لگے تو جا کر سو جاؤ یہاں تک کہ نیند دور

ہو جائے کیوں کہ اگر اونگھتے ہوئے نماز پڑھو گے تو ممکن ہے کہ استغفار کے (غفلت کی وجہ سے) اپنے کو بددعا دینے لگو گے۔[۳۶]

نبی ﷺ کی تہجد کی بعض تفصیلات

آنحضور ﷺ جب رات میں تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو پہلے مسواک اور وضو کرتے، وضو کے دوران یا پہلے سورہ آل عمران کی یہ آیت ان فی خلق السماوات والارض ... ختم سورہ تک پڑھ جاتے۔[۳۷] حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، پہلے آپ نے "الله اكبر الله اكبر الله اكبر ذو الملكوت والجبروت والكبرياء والعظمة" کہا اس کے بعد نماز شروع کی۔[۳۸]

نماز تہجد کی ابتدا دو مختصر رکعتوں سے کرتے۔[۳۹] اور اسی کا حکم بھی دیا ہے۔[۴۰] ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیا کرتے۔ اور اسی طرح نماز تہجد پڑھنے کو پسند فرماتے۔[۴۰]

تہجد میں بہت طویل قرأت آپ سے منقول ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ چار رکعتوں میں آپ نے سورہ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ یا انعام پڑھی، اس طور پر کہ سجدہ اور رکوع وغیرہ بھی قرأت ہی کی طرح طویل کیا کرتے۔[۴۱] دوران قرأت اگر رحمت کی آیت آجاتی تو ٹھہر کر رحمت کی دعا کرتے اور جہاں عذاب کی آیت ہوتی ہے وہاں اس سے پناہ مانگتے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ رات کی نماز میں صبح تک ایک ہی آیت پڑھتے رہے، وہ آیت یہ ہے ﴿ان تعذبهم فإنهم عبادك وإن تغفر لهم فإنك أنت العزيز الحكيم﴾۔[۴۲]

+ + + + + +

مراجع

+ + + + +

۱۔ فرقان: ۶۴ ۲۔ سورہ سجدہ: ۱۶ ۳۔ سورہ ذاریات: ۱۷
۴۔ سورہ بنی اسرائیل: ۷۹ ۵۔ تفسیر ابن کثیر ۲؍۹۰، ۲۹۲

۶۔ ترجمان القرآن ۳/ ۳۰۸

۷۔ افضل الصلوۃ بعد صلوۃ المکتوبۃ الصلوۃ فی جوف اللیل ، رواہ الجماعۃ الا البخاری (نیل الاوطار ۳/ ۵۶

۸۔ رواہ الترمذی و ابن خزیمۃ (اعلاء السنن ۷/ ۳۸)

۹۔ رواہ الترمذی و ابن خزیمۃ وقال الترمذی حسن صحیح (ترغیب للمنذری ۱/ ۴۳۴)،

۱۰۔ رواہ الترمذی وقال الترمذی حسن صحیح (ترغیب ۱/ ۴۲۳)

۱۱۔ صحیح بخاری ۱/ ۱۵۲، ۱۲۔ بحوالہ سابق ۱/ ۱۴۹،

۱۳۔ مسلم ۱/ ۲۵۶، ۱۴۔ حوالہ سابق

۱۵۔ فقیام اللیل سنۃ مؤکدۃ تطابقت علیہ دلائل الکتاب والسنۃ و اجماع الامۃ (شرح مھذب ۴/ ۴۴)، ۱۶۔ ردالمختار ۱/ ۵۰۶،

۱۷۔ صحیح بخاری و مسلم سنن ابو داؤد ، نسائی ابن ماجہ الترغیب ۱/ ۴۲۷

۱۸۔ اخرجہ الطحاوی والدارقطنی ، و فی التعلیق المغنی : اسنادہ جید (اعلاء السنن ۶/ ۱۰۵۔ تہجد کے لئے اطمینان ہو تو وتر تہجد کے بعد پڑھنا بہتر ہے، حدیث میں ہے کہ جسے خوف ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہ اٹھ سکے گا تو اسے پہلے ہی وتر پڑھ لینی چاہیے اور جسے آخر رات میں اٹھنے کی امید ہو تو اس کو اسی وقت پڑھنا چاہیے کیوں کہ آخری رات میں نماز کے وقت فرشتے رحمت نازل ہوتے ہیں اور یہ افضل ہے مسلم شریف مع ترجمہ لکھنوی ۱/ ۴۵۸

۱۹۔ معارف السنن ۴/ ۱۳۲، ردالمختار ۱/ ۵۰۶

۲۰۔ رواہ النسائی وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال المنذری صحیح علی شرط الشیخین ردالمختار ۱/ ۵۰۶

۲۱۔ معارف السنن ۴/ ۱۳۲۔ ۱۲۰، ۲۲۔ معارف السنن ۴/ ۱۵۸

۲۳۔ ربما اسرّ بالقرأۃ و ربما جھر سنن ترمذی ۱/ ۱۰۰ وقال صحیح غریب

۲۴۔ سنن ابو داؤد ۱/ ۱۸۸، ۲۵۔ مکتوبات ۱۳۱ دفتر اول

۲۶۔ وبالاسحار ھم یستغفرون ،

۲۷۔ صحیح مسلم ۱/ ۲۵۸ صحیح بخاری ۱/ ۱۵۳

۲۸۔ معارف السنن ۴/ ۱۳۸ وما بعدہ

۲۹۔ صحیح بخاری ۱/ ۱۵۵، جامع الترمذی ۲/ ۱۷۸ کتاب الدعوات

۳۰۔ صحیح بخاری ۱/ ۱۵۴

۳۱۔ نسائی ، ابن ماجہ باسناد صحیح علی شرط مسلم (شرح مھذب ۴/ ۴۷)

۳۲۔ و کان اذا نام من اللیل او مرض صلی من النھار اثنتی عشرۃ رکعۃ (صحیح مسلم ۱/ ۲۵۶)

۳۳۔ رواہ الجماعۃ الا البخاری (نیل الاوطار ۲/ ۹۴)

۳۴۔ رد المحتار ۱/ ۲۷۶

۳۵۔ ابو داؤد ، نسائی باسناد صحیح (شرح مھذب ۴/ ۴۶)

۳۶۔ حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ ۱/ ۴۰۱

۳۷۔ مشکوۃ ۱/ ۱۱۰ بحوالہ بخاری و مسلم

۳۸۔ مشکوۃ ۱/ ۱۱۰ ۳۹۔ مسلم ۱/ ۲۶۱، ۲۶۰

۴۰۔ ابو داؤد ۴۱۔ مسلم ۱/ ۲۶۲

******

حاشیہ شبیر احمد عثمانی اور نظم قرآن

ابو علی فلاحی

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے ترجمہ کی تفسیر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے لکھی ہے۔ یہ تفسیر انتہائی مختصر، جامع اور بے حد مفید ہے۔ اس کی بعض بحثیں تو اتنی عمدہ ہیں کہ انھیں پڑھتے وقت دل بے اختیار خوشی سے اچھل پڑتا ہے۔ مولانا کی یہ تفسیر اپنے اختصار کی بنا پر لطیف و دقیق مباحث سے خالی ہے لیکن پھر بھی آپ نے کہیں کہیں لطیف بحثیں کی ہیں جیسے معوذتین کے خاتمہ پر مولانا نے انتہائی دقیق بحث کی ہے۔ نظم قرآن کا تعلق چونکہ لطیف اور تفصیل و توضیح طلب مباحث سے ہے اس لیے اس تفسیر میں نظم و ربط کی بحثیں کم ہی ہیں۔ سطور ذیل میں نظم قرآن کی رعایت کی بعض مثالیں ہدیہ قارئین کی جارہی ہیں:

آیات کا باہمی ربط

۱۔ سورہ القیامہ میں ہے "لا تحرك به لسانك لتعجل به......"

مولانا ان آیات کا سیاق و سباق سے ربط بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "یہ بھی ایک معجزہ ہوا کہ ساری وحی سنتے رہے اس وقت زبان سے ایک لفظ نہ دہرایا لیکن فرشتہ کے جانے کے بعد پوری وحی بعینہ الفاظ کامل ترتیب کے ساتھ بدون ایک زیر زبر کی تبدیلی کے فر فر سنادی اور سمجھادی۔ یہ اس دنیا میں ایک چھوٹا سا نمونہ ہوا "ينبؤا الانسان يومئذ بما قدم و أخر" کا۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنی وحی فرشتے کے چلے جانے کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ حرف بہ حرف بدون ادنیٰ فروگذاشت کے اپنے پیغمبر کے سینے میں جمع کردے کیا اس پر قادر نہیں کہ بندوں کے اگلے اور پچھلے اعمال جن میں سے بعض کو کرنے والا بھی بھول گیا ہوگا سب کو جمع کرکے ایک وقت میں سامنے کردے اور ان کو خوب طرح یاد دلادے۔ اور اسی طرح انسان کے جسم

کے منتشر ذرات کو سب جگہ سے اکٹھا کرکے ٹھیک پہلی ترتیب پر انسان کو از سر نو وجود عطا فرمادے۔ بے شک وہ اس پر اور اس سے کہیں زیادہ پر قادر ہے۔ (ف ۷)"

۲۔ هل اتك حديث موسى...... (سورہ النازعات: ۱۵)

سورہ النازعات از اول تا آخر قیامت کے ذکر سے پر ہے۔ درمیان میں مشرکین مکہ کا یہ شبہ بیان ہوا ہے کہ "جب ہم مرنے کے بعد گل سڑ جائیں گے اور ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوجائیں گی تو کیا ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔" اس شبہ کے معاً بعد قصہ موسیٰ علیہ السلام و فرعون کا تذکرہ کرکے اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ انسانوں کو از سر نو زندہ کرنے کا کام دم بھر میں ہوجائے گا۔ جہاں اللہ نے ایک ڈانٹ پلائی اسی وقت بلا توقف سب اگلے پچھلے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دیں گے جس طرح اس کی مختصر سی جھڑکی اور معمولی ڈانٹ سے فرعون جیسا متکبر خدا کے روبرو کھڑا کردیا گیا تھا۔ (ف ۷) یہی چیز قیامت کے دن بڑے پیمانے پر واقع ہوگی جہاں ہر متکبر و سرکش کو خدا کے روبرو کھڑا کردیا جائے گا۔

ایک سورہ کا دوسری سورہ سے ربط

سورہ القلم میں ہے "أفنجعل المسلمين كالمجرمين مالكم كيف تحكمون"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس قول کی تردید کی ہے کہ "قیامت کے دن مسلمانوں پر عنایت و بخشش ہوگی تو ہم پر ان سے بہتر اور بڑھ کر ہوگی۔ اور جس طرح دنیا میں ہم کو اللہ تعالیٰ نے عیش و رفاہیت میں رکھا ہے وہاں بھی یہی معاملہ رہے گا" کافروں کے اس زعم کی تردید سورہ الحاقہ میں مذکور قوم نوح علیہ السلام کے اس واقعہ سے کی گئی ہے کہ جس طرح دنیا کے ہولناک دارو گیر میں فرماں برداروں کو نافرمانوں مجرموں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے یہی حال قیامت کے دن ہولناک خاتمہ میں ہوگا۔ (دیکھیے صفحہ ۲۵۷)۔

آیتوں کے خواتم کے اسرار و رموز

"يا أيها الذين آمنوا إذا قمتم إلى الصلوة ...... ولكن يريد ليطهركم وليتم نعمته عليكم لعلكم تشكرون" (سورہ المائدہ: ۶)

پچھلے رکوع میں جو نعمائے عظیمہ بیان ہوئی تھیں ان کو سن کر بندہ کے دل میں جوش اٹھا کہ اس

منعم حقیقی کی بندگی کے لئے فوراً کھڑا ہو جانے والے بتلا دیا کہ ہماری طرف آؤ تو کس طریقے سے پاک ہو کر آؤ۔ یہ بتلانا خود ایک نعمت ہوئی اور بدن کی سطح ظاہر پر پانی ڈالنے یا مٹی لگانے سے اندرونی پاکی عطا کر دینا یہ دوسری نعمت ہوئی۔ بندہ ابھی پچھلی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکا تھا قصد ہی کر رہا تھا کہ یہ جدید انعامات فائض ہو گئے اس لئے ارشاد ہوا کہ "لعلکم تشکرون" یعنی ان پہلی نعمتوں کو یاد کرنے سے پہلے ان جدید نعمتوں کا جو احکام وضو وغیرہ کے ضمن میں مبذول ہو گئیں شکر ادا کرنا چاہئے۔ شاید اسی "لعلکم تشکرون" سے حضرت بلالؓ نے تحیۃ الوضوء کا سراغ لگایا ہو۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ مولانا قرآن کریم کو مربوط و منظم کلام کہتے تھے۔ ☆☆

فارم ۴

ماہنامہ مجلہ حیات نو

مقام اشاعت : بلریا گنج اعظم گڑھ

وقفہ اشاعت : ماہنامہ

مالک : انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ

پرنٹر و پبلشر : نور محمد، جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ

ایڈیٹر : نور محمد، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

میں نور محمد پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا وضاحتیں میرے علم و اطلاع کے مطابق صحیح ہیں۔

اسلامی نشأۃ ثانیہ کی ترجیحات

ظریف شہباز ندوی

ریسرچ اسکالر جامعہ ملیہ شعبہ عربی

انسانی زندگی کی رہنمائی کے لیے قرآن نے جو نصب العین دیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اور خدا کے درمیان عبودیت کی صحیح نسبت قائم ہو اور اس نسبت کے تقاضے سے جو طرز عمل متعین ہو انسان اس پر چلنے لگے۔ اس نصب العین کا تقاضا انسان کی اپنی فطرت میں موجود ہے لیکن وہ اسے حاصل تبھی ہو سکتا ہے جب سنن کونیہ (UNIVERSAL LAWS) بھی اس سلسلے میں اس کی موافقت میں ہوں۔ یہی قرآن مجید کا موقف بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو ایک مقصد کے تحت پیدا کیا ہے اس مقصد کے شعور کے لئے عقل کے ساتھ ہی وحی کی رہنمائی بھی فراہم کی جس کا سلسلہ آخری بعثت پر ختم ہو گیا۔ نزول قرآن کی غایت بھی یہی ہے کہ مقصود بعثت حاصل ہو جو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اللہ کے پسندیدہ طریقہ زندگی "الدین" کو غلبہ حاصل ہو۔ جیسا کہ کہا گیا ہے "إن الدين عند الله الاسلام" (اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے۔ آل عمران ۱۹) یہ آیت حصر اور کلیت پر ناطق ہے اور هو الذي ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون (وہی ہے جس نے اپنے رسول کو الہدیٰ اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اسے پورے طریق زندگی پر غالب و ظاہر کر دے گرچہ یہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گذرے۔ الصف ۹)

اسی مقصد کے حصول میں انسان کا کمال بھی ہے لیکن اس کے لیے وہ جدوجہد اسی وقت کر سکتا ہے جب اسے اس کے حاصل ہو جانے کا یقین ہو، یہ یقین سنن کونیہ کے مطالعہ سے حاصل ہوگا۔

ان سنن کونیہ میں بطور خاص تین کائناتی قوانین ہمارے سامنے آتے ہیں جن کے

باہمی ربط و تعلق سے ہی دنیا میں سارے نتائج ظہور پذیر ہو رہے ہیں ان میں ایک نشو و نما کا قانون ہے۔ دوسرا تاریخی قانون تضاد (بمعنی تصادم) اور تیسرا قانون سعادت و شقاوت۔ یہ تینوں قوانین باہمی طور پر مربوط اور لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے اول الذکر کو قرآن کی زبان میں ربوبیت اور سائنس کی زبان میں ارتقاء کہتے ہیں۔ (یہ واضح رہے کہ یہاں ارتقاء سے مراد ڈاروِن کا نظریۂ ارتقاء نہیں ہے بلکہ بطور ایک عام سائنسی مسلمہ کے مراد ہے) ارتقاء یا ربوبیت اس کو کہتے ہیں کہ وجود ذاتی بتدریج اپنے مقصود سے قریب ہوتا چلا جائے۔ رب کا ایک مفہوم ہے کسی چیز کی نشو و نما کر کے اسے درجۂ کمال تک پہنچانے والا۔ پر وجود ذاتی اپنے ارتقاء کے لئے کئی چیزوں کا ضرورت مند ہوتا ہے ایک یہ کہ اس کے اندر حرکت ہو، اس میں انجذاب (Production) کی صفت ہو، وہ انفرادیت رکھتا ہو پھر چونکہ ماحول کبھی بھی اس کے لیے سازگار نہیں ہوتا بلکہ وہ مزاحمت پیدا کرتا ہے، اس مزاحمت کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ وجود ذاتی کے اندر مقابلہ کی خوابیدہ صفت بیدار ہوتی ہے، اس طرح مزاحمت کی مزاحمت وجود میں آتی ہے جو نشو و نما کے لئے سازگار شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب یہیں سے یہ قانون تضاد میں تبدیل ہو جاتا ہے، انسان کو اس کے مرتبۂ کمال تک پہنچانے کے لئے ہی اس کے مد مقابل ابلیس کو رکھ گیا ہے۔ إن الشيطان كان للإنسان عدواً مبينا (یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن رہا ہے الاسراء ۵۳) پیغمبر کے مقابلہ میں معاند قوت کو رکھا گیا ہے وجعلنا لكل نبي عدواً من المجرمين (ہم نے ہر نبی کے مقابلہ میں ایک مجرم و دشمن رکھا ہے۔ الفرقان ۳۱) اسی طرح ایمان کے مقابلہ میں کفر، نور کے مقابلہ میں ظلمت، یقین کے مقابلہ میں نفاق وغیرہ کو رکھا گیا ہے۔ اگر پیغمبر کی مخالفت کی مفاد پرست مجرم کی طرف سے تو پیغمبر کے مقصد کو پانے کے لئے ضروری نہ ہوتی تو ان کے راستے میں یہ مشکل پیدا نہ کی ہوتی۔ یہ کائناتی قانون جو ہے تضاد کا قانون ہے اور کائناتی نظام تکوین میں ودیعت کیا گیا ہے اور ہر نشو و نما تضاد کے قانون کے تحت ہو رہی ہے یہی قانون تاریخی سطح پر نتائج پیدا کر رہا ہے اگرچہ قانون کی شکل میں بیان کرنا چاہیں تو یوں ہوگا کہ دو گروہ ہوں ان کے دو مقاصد ہوں ان کے پیچھے دو قوت ارادیاں ہوں ان کے پیچھے

دو منظم ارادے ہوں، ان ارادوں کے مابین تصادم ہو، اس تصادم کو کامیاب بنانے کے لئے دو پروگرام ہوں، ایک مزعومہ مفادات کو توڑ کر نفع بخشی کا، دوسرا مزعومہ مفادات کی حفاظت اور نشو و نما کو روکنے کا۔ قرآن مجید ان دو گروہوں کو حزب اللہ، حزب الشیطان، اہل الخیر اہل الشر اصحاب حق، اصحاب باطل، اصحاب یمین، اصحاب شمال، اور اصحاب میمنہ، واصحاب مشئمہ اور خیر البریہ اور شر البریہ کے ناموں اور صفتوں سے ظاہر فرماتا ہے۔

جہاں تک قانون سعادت و شقاوت کی بات ہے تو جیسا کہ مذکورہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے حق خود ساختہ مفادات کو توڑ کر (جو کفر و شرک اور ان کے لازمی نتائج ہیں) نفع بخشی (خیر) کا ایک پروگرام ہے اس سے انسان کی اخلاقی، مادی اور روحانی تکمیل مقصود ہے اس کے بالمقابل اسی تکمیل کی مزاحمت اور خود ساختہ مفادات کی حفاظت کا نام باطل ہے اسی حقیقت کی طرف آیت کریمہ "قد افلح من زكها وقد خاب من دسها" کا یہی مراد ہو گیا جس نے اپنے نفس کو پاک صاف کر لیا اور وہ ناکام ہوا جس نے نفس کو خاک میں ملا دیا (الشمس) اس میں اشارہ کیا گیا ہے جب نفس کفر و شرک اور ان کے لازمی نتیجہ حرص و لالچ سے پاک صاف ہو گا تو وہ نفع بخشی اور نمو کا راستہ کھولیگا اور اگر نفس کفر و شرک اور ان کی آلائشوں سے پاک صاف نہ ہو گا تو وہ مفاد پرستانہ تخریب کریگا، دونوں کے مابین ٹکراؤ ہوگا، اور اس نزاع میں تزکیہ پایا ہوا نفس غالب اور غیر تزکیہ شدہ نفس مغلوب ہو گا "وان جندنا لهم الغالبون وان جندنا لهم المنصرون" یقیناً ہمارے ہی لشکر کو مدد ہوتی ہے ہمارا ہی لشکر غالب ہو کر رہے گا (الصافات ۱۹۲ اور ۱۷۳)

مطلب یہ ہے کہ سعادت و شقاوت کے اس قانون کے اتباع سے ایک گروہ، قوم اور تہذیب کو عروج حاصل ہوتا، اور اس قانون کی خلاف ورزی سے دوسری قوم اور تہذیب زوال سے دوچار ہوتی ہے، دونوں کے درمیان یہ تصادم ناگزیر ہے۔

تاہم یہ ذہن میں رہے کہ یہ تینوں قوانین اپنے نتائج اسی وقت پیدا کرتے ہیں جب ان کے اندر التباس پیدا نہ ہو۔ اگر التباس (Confusion) پیدا ہوا مثلاً یہ کہ کسی پہلو میں تضاد ہو اور

کسی میں نہ ہو، تو اب یہیں سے نشو و نما کی راہ رک جائے گی، مقصد متعین نہ ہو پائے گا۔ اور جب مقصد متعین نہ ہوگا تو مجرم گروہ کے رد عمل بھی مختلف ہوں گے لہٰذا مطلوبہ تضاد حاصل نہ ہوگا اور جد و جہد کی صحیح سمت بھی متعین نہ ہو سکے گی۔ اس کی مثال کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے آج ہمارا ایسا مسئلہ یہی ہے مثلاً ہمارے سامنے سیکولرازم کی مختلف تعبیریں ہیں ایک تعبیر مذہب مخالف ہے دوسری بظاہر مذہب مخالف نہیں بلکہ اس کو نجی زندگی تک محدود کر دیتی ہے۔ اسی طرح مختلف نظامہائے سیاست و معیشت کا مسئلہ ہے کہ ان کے اتنے مختلف روپ ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کس کو قبول کیا جائے کس کو رد کیا جائے۔ آج چیلنج یہ نہیں ہے کہ ہمیں باطل کا سامنا ہے بلکہ اس سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ حق نما باطل کا سامنا ہے یہی وجہ ہے کہ حق کا کیمپ اپنا نشانہ متعین کرنے میں التباس کا شکار ہو رہا ہے، اور وہ کیفیت حاصل نہیں ہو رہی ہے کہ ﴿بل نضرب بالحق على الباطل فيدمغه فإذا هو زاهق﴾ ہم باطل پر حق کو پھینک مارتے ہیں پھر وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے اور پھر اس کی جان نکل جاتی ہے (انبیاء ۱۸) اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے تغیر پسند ہونے کا حوالہ دے کر حق و باطل میں کوئی com-promise کرنے کی کوشش حق نما باطل ہے کہ وہ حق، حق نہیں ہو سکتا جسے باطل آمیز کرتا ہو، دونوں میں ہم آہنگی اور یک جہتی کی کوشش ایک فتنہ ہے اور عالمی سازش کا ایک حصہ۔ ان دونوں میں تصادم ناگزیر ہے، اور جب یہ تصادم ہوتا ہے اسی وقت حق کا علمبردار انہیں کمزوریوں کو محسوس کر کے اپنے دل کی گہرائیوں سے اهدنا الصراط المستقيم پکارتا ہے یہ ہدایت وہ ہے جو ان اوصاف کے پیدا کرنے کی کفیل ہو جو عالمی سطح پر غلبہ دین حق کی جد و جہد کے لئے انسان کو درکار ہیں یعنی زندگی کا اخلاقی معیار کے مطابق ڈھلنا، روحانی سیرت کی تشکیل، اجتماعی نظم و ضبط کو باقی رکھنے کے لئے امر و نواہی کی صورت میں ضابطہ حیات۔ جس کو شریعت یا order کہا جا سکتا ہے

اسلامی نشاۃ ثانیہ کی ترجیحات کے سلسلہ میں ایک اہم اور بنیادی مسئلہ یہ بھی ہے کہ انسانی شعور و تجربے پر مبنی علم اور علم مبنی بر وحی میں فرق و امتیاز کیا جائے، ہمارے مذہبی

ذہن کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ علم دینی و دنیوی ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ علم کو ایک وحدت unit قرار دے کر ان دونوں کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھ پاتا، انسانی شعور کے زائدہ علوم یا تو حواس کی مدد سے حاصل ہوتے ہیں یا عقل و تخیل کے سہارے، قدیم حکماء اسی علم کی تعریف العلم ادراك الشئ بحقيقته (علم کسی شئی کی حقیقت کے ادراک کا نام ہے) سے کرتے ہیں، لیکن بحکم وما اوتيتم من العلم الا قليلا تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت کم ہے (بنی اسرائیل ۸۵) اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کتنا ہی غور و فکر سے کام لے کتنا ہی تجربات کرے اس کا علم بہر حال ناقص ہے جو کسی زندگی کے جملہ تقاضوں کی تکمیل نہیں کرتا بلکہ اس کا علم سراسر مفروضہ ہے، mathematics کو سب سے accurate سائنس کہا گیا ہے لیکن اس کی ابتدا بھی مفروضہ سے ہوتی ہے۔ ایک کے عدد کو فرض کر لیا گیا ہے کہ وہ ایک ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، معلوم ہوا کہ انسان کی اسی علمی کمی کو پورا کرنے کے لئے علم بالوحی کی ضرورت ہے اور وہ ایسا علم ہے جو انسان کو اس کی اپنی استعداد سے میسر نہیں آ سکتا جب یہ طے ہے تو اب دونوں میں فرق کرنا نہایت ضروری ہے اور یہ اس لئے کہ اس کے بغیر یکسوئی اور یک رنگی، حق و باطل کی کشمکش میں حق پرستوں کو کامیابی کی ضمانت نہیں مل سکتی۔ اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کی تھوڑی سی تفصیل ضروری ہے، علم کے تین مدارج ہو سکتے ہیں (۱) محسوس و مشاہد یعنی یہ کہ یہ کیا ہے ؟ معیاری یعنی یہ کہ کیا ہونا چاہئے ؟ (۳) غائی (مقصد تک پہنچانے والا) یعنی جو ہونا چاہئے ؟ اب دیکھنا چاہئے تو انسانی شعور کے زائدہ علوم حس سے آگے نہیں بڑھتے یعنی وہ جس چیز سے بھی بحث کرتے ہیں اس کا وجود پہلے سے ہوتا ہے، اور وہ مشاہدہ و توجیہ و تعلیل سے کام لیکر یہ بتاتے ہیں کہ یہ کیا ہے، معیاری جا کر وہ الجھ جاتے ہیں اور کوئی متعین بات نہیں کر سکتے، معیار کے تعین میں ان کے درمیان اتنے اختلافات ہو جاتے ہیں کہ وہ ایک عقدہ لاینحل بن جاتا ہے جہاں تک غائیت کا معاملہ ہے تو اس میں وہ ابھی تک انسانی اقدار حیات کے حقائق کی تعریف بھی متعین نہیں کر سکے، اس کے برعکس علم بالوحی اعلا معیاری اور غائی ہے یعنی وہ یہ بتاتا ہے کہ کیا ہونا چاہئے اور جو کچھ ہونا چاہئے وہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مثلاً انسانی

زندگی کے دو خانے ہیں انفرادی و اجتماعی۔ انفرادی زندگی کے لئے انسانی استعداد کے زائد و موہوم کوئی متعین نصب العین نہیں ہے۔ کسی نے اسے حیوانیت کے درجے میں اتار کر ہر طرح سے اپنی خواہشات پوری کر لینے کا نصب العین دیا، کسی نے اسے لامحدود آزادی کا، جس کی وجہ سے وہ اباحیت تک پہنچ گیا، کسی کے نزدیک حصول لذت ہی سب سے بڑا خیر ٹھہرا اور کسی کے نزدیک جدید معاشرہ میں مطلوب معیار معیشت standard of living ہی کمال سمجھا گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس نے ہر طرح کی ٹیکنالوجیکل ترقی کر لی، مادی آسائش کی انتہا کو وہ پہنچ گیا۔ فضا میں پرندوں کی طرح وہ اڑنے لگا لیکن کوئی متعین مقصد زندگی وہ نہ پا سکا جس سے اس کی روح میں حرارت پیدا ہو، اسے حقیقی سکون و طمانینت ملے اور اس کے فطری و روحانی تقاضے پورے ہوں۔ وہ پورے طور پر نارسائی، محرومی اور یاسیت کا شکار ہے۔ ایک روحانی کرب میں مبتلا ہے۔ یہ چیز آج ایک جانی بوجھی حقیقت ہے جس پر اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔

اجتماعی زندگی بھی اس سے کم بھونچال کا شکار نہیں ہے۔ یہاں بھی بحیثیت مجموعی انسانی تمدن کے سامنے کوئی اجتماعی نصب العین نہیں ہے۔ کہیں نیشنلزم کا عفریت ہے، کہیں ڈیموکریسی کا جنون، کمیونزم کی آوارہ گردی اور گلوبلائزیشن کے پردہ میں کمزوروں کا استحصال۔ انسانی تالاب کی بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل لینے کی فکر میں ہے اور اس کے لئے کوشاں ہے۔ معاشرت میں خود پسندی و نسلی تفاخر پایا جاتا ہے۔ معاشی سطح پر طاقتور قومیں کمزوروں کا استحصال کر رہی ہیں اور اس کے لئے مختلف بین الاقوامی اداروں کا تعاون لیا جا رہا ہے جنہیں عالمی اجارہ داروں نے اسی مقصد کے لئے بنایا ہے۔ سیاسی سطح پر ریاست کا یہ تصور اختیار کیا گیا ہے کہ "ایک منظم معاشرہ جسے اپنی بقا اور توسیع کے لئے دوسری ریاستوں سے صلح و جنگ کا پورا اختیار ہو" اس کے نتیجہ میں بین الاقوامی سطح پر جنگ در جنگ کا ماحول بنا ہوا ہے۔

جہاں تک علم ہستی مذہبی کا مسئلہ ہے تو وہ انفرادی زندگی کے لئے ایک نصب العین دیتا ہے جو یہ ہے کہ انسان انسان مرتضیٰ (خدا کا پسندیدہ بندہ) بنے۔ اس نصب العین کے حصول کی شرط یہ ہے کہ اسے زندگی اور کائنات کے بامقصد ہونے کا یقین ہو۔ حصول مقصد کی خاطر

کامیابی کے لئے ایمان راسخ ہو، خواہشات اخلاقی ضوابط کے تابع ہوں، خدا سے قرب کی تمنا ہو اور عبودیت کے احساس سے زندگی سرشار ہو، عملی زندگی میں مطالبہ حقوق کے بجائے ادائے واجبات اور اداء حقوق کا رویہ ہو، مقصد سے عشق ہو اور اس کی راہ میں قربانی دینے کا جذبہ، نتیجہ و انجام کی پروا کئے بغیر جد و جہد کرتے جانے پر یقین ہو۔

اجتماعی سطح پر اسلام ایک ایسا معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے جو وحدت الٰہ اور وحدت انسان کے تصور پر مبنی ہو، اس معاشرہ میں مفاد پرستانہ دشمنی نہ پائی جاتی ہو بلکہ وہ ایسے افراد کے ذریعہ تشکیل دیا گیا ہو جو اخلاقی جد و جہد کریں، روحانی الذہن ہوں، اور فرائض کی بجا آوری پر یقین رکھتے ہوں، اپنی عملی جد و جہد میں اجر کی توقع اصلاً اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہوں، اور معاشرہ کی جد و جہد اللہ تعالیٰ کی ولایت و رضا حاصل کرنا ہو، تاکہ وہ ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہے ﴿الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیهم ولا هم یحزنون﴾ (بیشک اللہ کے دوست وہ ہیں جن کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (زخرف ۶۸) ظاہر ہے کہ ایسے معاشرہ میں استحکام کی اساس محمد رسول اللہ ﷺ سے اور ان پر اترے ہوئے کلام سے وفاداری ہوگی۔ لایومن احدکم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به (حدیث) (تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میرے لائے ہوئے اصولوں کے تابع نہ ہو جائے) پھر قرآن مجید انسان کو یہ مثالی معاشرہ کے قیام کا نصب العین ہی نہیں دیتا بلکہ اسے پانے کی قطعی اور یقینی طور پر نتیجہ خیز ہدایت بھی دیتا ہے۔ اس ہدایت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف راہ دکھانے کا کام نہیں بلکہ مقصد تک پہنچنے کی ضامن بھی ہے۔ نوع انسانی کی وحدت پر مبنی معاشرہ کی ضرورت اس لئے ہے کہ محدود وفاداریوں کی بنیاد پر جو گروہ وجود میں آتے ہیں یا جو تحفظ میں وجود پذیر ہوتی ہیں ان میں لازماً بے انصافیاں اور بے نظامیاں پائی جائیں گی جس کی وجہ سے ان میں غیر مختتم نزاع اور دشمنی قائم رہے گی۔ قرآن کہتا ہے کہ پوری نوع انسانی ایک امت تھی پھر ان کے مفادات نے ان میں اختلاف ڈال دیا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے (البقرہ ۲۱۳) اسلام کے دین علمبردار اپنے قائد اور اپنے نصب العین اور اس کے حصول کے طریقہ کار میں کامل ایمان رکھتے

تھے وہ اپنی جدوجہد کی کامیابی کی نسبت لمحہ بھر کے لئے بھی ریب و تذبذب کا شکار نہیں ہوتے جس کی وجہ سے ان کے سامنے جلد ہی اس کا واقعی نتیجہ نمودار ہو گیا اور دنیا نے دیکھا کہ "انفرادی زندگی کے فکری پہلو میں زندگی اور کائنات کے بامقصد ہو جانے کا یقین میسر آ گیا ایمانی پہلو میں حصول مقصد کی جدوجہد میں کامیابی کی نسبت ایمان راسخ پیدا ہو گیا۔ اخلاقی پہلو میں خواہشات ضبط و اختیار کے تابع ہو گئیں۔ اجتماعی پہلو میں معاشرتی پہلو کی خود پسندی اور نسلی تفاخر کے بجائے اخوت غالب آ گئی معاشی پہلو میں حرص، لالچ اور بخل پر انفاق، ایثار اور احسان کے تقاضے غالب آ گئے۔ سیاسی پہلو میں ہوس اقتدار کے بجائے معاہدۂ عمرانی وجود میں آ گیا اور ریاست کی ساخت میں جو سیاسی تناقض (Political Antiness) تھا وہ زائل ہو گیا اور بین الاقوامی سطح پر علیحدہ دین حق مسلم ہو گیا۔"

سوال یہ ہے کہ آج ایسا کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ اگر اس پر غور کیا جائے تو اس کی جڑ میں یہ نظر آئے گا کہ آج علم مبنی بر وحی اور انسانی استعداد کے زائدہ علوم میں گڈمڈ کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور ہم علم بالوحی سے اپنا منہاج اخذ کرنے کے بجائے انسانی زائدہ علوم سے وہ نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے تاریخی طور پر یہ معلوم ہوتی ہے کہ زوال کے ادوار میں ہم نے ان دونوں میں فرق کرنا چھوڑ دیا تھا۔ لہذا آج حالت یہ ہے کہ فکر اسلامی کے پورے ذخیرہ میں کتاب و سنت کے متن کو چھوڑ کر بیشتر وہ حصہ ہے جو ہے تو انسانی تفکر کا زائدہ لیکن سمجھا جا رہا ہے اسے الہامی اور منزل من اللہ۔ اور اسی سے ہم طریق کار اخذ کرتے ہیں یا پھر ہم پیوند کاری کی کوشش کرتے ہیں اور ہر چیز پر اسلام کا لیبل لگا دینے کو کافی سمجھ لیتے۔ جو دشمن کی ذہنی قیادت اور علمی امامت کے سامنے سپر ڈال دینے کے مترادف ہے، اور دنیا کی تاریخ کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کرتی کہ مرعوب اور پیوند کار ذہن کبھی وقت کے چیلنج کا جواب دے سکا ہو۔

اسکی مزید توضیح یوں کی جا سکتی ہے کہ مثلاً ہمارے سامنے علوم اجتماعیہ کو اسلامیانے کا مسئلہ ہے عمرانیات کو لیں جو موجود معاشرہ سے بحث کرتی ہے، اس کا موضوع ہوتا ہے کہ معاشرہ کیا ہے اسکی تعریف و تحدید کے بعد وہ اسکی تمدنی مظاہر کی توجیہ کرتی ہے، وہ اس بات کے

سمجھنے سے قاصر ہے کہ معاشرہ کیسا ہونا چاہئے اور وہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ علم مبنی بر وحی انھیں دونوں پہلوؤں سے بحث کرتا ہے اور انکے لئے رہنمائی دیتا ہے، چنانچہ وہ عمرانیات کو ایک شعوری نصب العین دیتا ہے، اسکے خصائص متعین کرتا ہے اور مثالی و لائق پسندیدہ معاشرہ کا معیار بھی بتاتا ہے اور اسکی تعمیر کا طریقہ بھی۔

اسی طرح معاشیات بحیثیت ایک واقعی علم کے ایک ایسا علم ہے جو تحقیق ثروت اور پروڈکشن سے بحث کرتا ہے، اسکے تحت گلہ بانی، تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت وغیرہ مختلف طریقہائے پیداوار آتے ہیں اس کا مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ پیداوار میں اضافہ کیسے ہو اور آدمی کا معیار زندگی standerd of living کیسے بلند ہو اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ سماج کے ہر آدمی کی ضرورت پوری ہو رہی ہے یا نہیں؟ معیشت عادلانہ ہے یا غیر عادلانہ۔ اس کے نزدیک یہاں ایک competition ہے جو اس دوڑ میں آگے نکل جائے وہی ترقی یافتہ ہے، اسی کو زندگی سے لطف اندوز ہونے کا حق ہے بقائے اصلح ہی دنیا کا قانون ہے باقی یہ بحث کہ معیشت عادلانہ ہونی چاہئے اور کیسے ہو اس سے موجودہ معاشیات کو کوئی مطلب نہیں، لیکن علم مبنی بر وحی جس معاشیات کا تصور دیتا ہے اس کا موضوع ہی یہ ہے کہ معاشرہ میں عادلانہ نظام معیشت رائج ہو، اور یہ کہ اسے عادلانہ بنانے کا طریقہ کیا ہے، مثلاً زکوٰۃ و صدقات کے نظام کے ذریعہ یہ بتاتا ہے کہ صاحب ثروت کا فرض ہے کہ وہ ناداروں اور محتاجوں پر خرچ کرے، ان کی ضرورت پوری کرے، اور اس طرح سماج میں موجود تعطل کو رفع کرنے میں اپنا کردار ادا کرے، اس عمل کی اہمیت اتنی ہے کہ قرآن اسے ایک جگہ ﴿واقرضوا الله قرضاً حسنا﴾ اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو۔ (البقرہ ۲۴۵) سے تعبیر کرتا ہے یعنی مقروض خدا ہو گا۔ نہ کہ وہ شخص جسے زکوٰۃ یا صدقہ دیا گیا ہے۔ ﴿وفی موالهم حق للسائل والمحروم﴾ ان کے مالوں میں محتاجوں سائلوں اور ناداروں کا ایک معلوم حق ہے (ذریات ۱۹) اسلامی معاشیات کا یہ پہلا محرک ہے دوسرا محرک اس حدیث میں بتایا گیا ہے جس میں آیا ہے کہ لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی

کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔ تیسرا محرک ﴿ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون ﴾ تم جب تک اپنا محبوب مال خرچ نہیں کروگے نیکی نہیں پاسکتے (۳: ۹۲) یعنی ایک مومن کا انفاق اس کے حق میں نیکی و ثواب کا کام ہوگا اور جس پر انفاق کیا گیا ہے اس کے لئے معیشت، اس طرح نیکی اور معیشت باہم مربوط ہو جاتی ہیں۔ اس کو آگے بڑھائیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی معاشرہ انسانی اور معیاری نہیں ہو سکتا جو معاشی تعطل کو رفع کرنے کا نظم نہ کرتا ہو۔ اسی کو مزید extend کیا جائے تو کوئی ریاست فلاحی ریاست متصور نہیں ہوگی جب تک وہ اجتماعی کفالت کا بہتر نظم نہ رکھتی ہو۔ اسی طرح اسلامی معیشت ایک غائی (مقصد تک پہنچانے والا) علم بن جاتا ہے۔

اسی طرح سیاسیات کو لیں کہ وہ ایک واقعی علم Positive Science ہے، جس کا موضوع موجود ریاست ہوتی ہے۔ وہ مشاہدہ اور توجیہ و تحلیل کے ذریعہ قائم سیاسی نظام سے بحث کرتا ہے۔ ریاست ایک منظم معاشرہ وضع ہوتی ہے، اور جب معاشرہ منظم ہوتا ہے تو اس میں از خود مطیع و مطاع حاکم و محکوم وجود میں آتے ہیں۔ مطاع اور حاکم کو قانونی طور پر محکوم سے جبری اطاعت کرانے کا حق بھی مسلم ہے لیکن اگر اس اطاعت کا محرک ہوس اقتدار ہو تو پھر ظالمانہ نظام وجود میں آتا ہے اسی طرح محکوم اگر مطالبۂ حقوق کی بنیاد پر اطاعت کرے تو حاکم و محکوم دونوں میں تصادم لازم ہوگا جو حق کا مطالبہ کرے گا وہ باغی سمجھا جائے گا۔ اور جس سے حقوق طلب کئے جائیں گے وہ غاصب ٹھہرے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ اقتدار وقت اور رعایا میں ٹکراؤ ہوگا اور ظلم و جبر کا دور دورہ ہوگا، اور فلاحی ریاست کا کوئی امکان باقی نہ رہے گا۔ پھر آخر مثالی ریاست کی تشکیل کیسے ہو اور مطیع مطاع کے مابین تصادم سے کیسے بچا جائے، موجودہ علم سیاسیات اس سلسلہ میں کوئی رہنمائی دینے سے قاصر ہے، لیکن علم مبنی بر وحی (اسلامی سیاسیات) اس سلسلہ میں رہنمائی دیتا ہے کہ کلمہ طیبہ کی بنیاد پر اقتدار اور رعایا دونوں ایک عمرانی معاہدہ کے پابند ہوں، جس کی اساس یہ ہوگی کہ ہم دونوں اسی کے بندے قرآن و سنت کے احکامات یکساں واجب التعمیل ہیں اور دونوں کا محرک عمل ایک ہی ہوگا۔ یعنی فرائض کی بجا آوری، حاکم رعایا کے تئیں اپنے فرائض

پورے کرے گا۔ رعایا اپنے واجبات کی تکمیل کرے گی نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کے درمیان تصادم ختم ہو جائے گا اور اس طرح وہ فلاحی ریاست تشکیل پذیر ہوگی جس کی عملی اور مکمل نمائندگی خلافت راشدہ کرتی ہے۔

یہی تجزیہ تاریخ اور اخلاقیات کے سلسلہ میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ ہماری گذارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم اسلام اپنی موجودہ صورت حال جو ایک مفکر ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے الفاظ میں "کافرانہ یقین اور مومنانہ بے یقینی کی کشمکش کا مظہر ہے" سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک وہ عصر حاضر کا چیلنج بھرپور جہتی انداز میں قبول نہ کرے، اس کے لئے لازمی ہوگا کہ وہ مغرب کی ذہنی امامت کا کلی انکار کرے، اپنے ثقافتی اور فکری سرمایہ کا جائزہ لے، اپنی تاریخ کا جرأتمندانہ احتساب کرے۔ اور یہ سب اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ علم بالوحی اور انسانی علم میں امتیاز کرے۔ اسی امتیاز کی بنیاد پر اس کے یہاں وہ ثقافت پیدا ہو جو مغرب کی تقلید کے خوا سے ہمیں نکال سکے"۔ عصر حاضر نے جو چیلنج تمام بنی نوع انسان کے لئے پیدا کیا ہے، اگر ہم اس کا جواب مغربی تہذیب کے اتباع سے نکلے بغیر تلاش کریں تو اس کا امکان باقی نہیں رہے گا کہ ہم اپنی فکری اساس اور اپنے ثقافتی نمونے پر قائم رہ کر ترقی کی جدوجہد کرسکیں[3] ✱

مراجع

۱۔ برہان احمد فاروقی۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل ص ۲۱، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع دوم ۱۹۹۱ء

۲۔ ایضاً ص ۶۹

۳۔ نفس مصدر ص ۸۲

ھندومت (۷)

انیس احمد فلاحی

ویدک تعلیمات :۔

وید اور توحید :۔ موجودہ ویدوں میں وحدانیت کا کوئی تذکرہ نہیں پایا جاتا ہے بلکہ انمیں مظاہر پرستی اور متعدد دیوی دیوتاؤں کا تذکرہ ملتا ہے۔ صرف رگ وید میں مذکور عدوؤں کی تعداد ایک سو پچاس ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابتداء میں ویدوں میں وحدانیت کی تعلیم پائی جاتی تھی جو تحریف کی نذر ہو گئی۔

عقیدۂ رسالت :۔ عقیدۂ اوتار موجودہ ہندو دھرم کا مستند و معتبر عقیدہ ہے۔ لیکن ویدک ادب میں اس عقیدہ کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا ہے بلکہ اسکے برعکس انمیں رسالت کا تذکرہ ملتا ہے۔

رگ وید کا ایک مختصر منتر ہے :۔ "اگنی دوتن ورنی ماھی"۔

ترجمہ :۔ ہم اگنی کو رسول منتخب کرتے ہیں۔ (ترجمہ ستیا پرکاش)

اگنی :۔ رسول کا نام

دوتن :۔ رسول

ورنی :۔ صیغہ متکلم ہے جسکے معنی ہیں ہم منتخب کرتے ہیں۔

موجودہ بالا منتر کا ترجمہ ستیا پرکاش نے کیا ہے۔ ویدوں کے قدیم شارحین دوتن کا ترجمہ معبود اور اگنی کا آگ کے دیوتا سے کرتے ہیں۔ لیکن خود وید ہی میں موجود ایک دوسرے منتر سے اس تفسیر کی تردید ہوتی ہے۔ وہ منتر یہ ہے۔ "منو شیا سو اگنی" یعنیا میں اگنی تو صرف ایک رسول ہوں۔ ظاہر ہے جب خود وید ہی میں اس کی صراحت موجود ہے کہ اگنی ایک رسول تھے تو پھر لفظ دوتن جو ایک مشترک لفظ ہے اس کا ترجمہ رسول سے نہ کر کے معبود سے کرنا کیوں کر جائز ہوگا۔

عقیدۂ آخرت :۔ ھندو دھرم میں سامی مذاہب کی طرح جنت و دوزخ اور یوم آخرت کا تصور نہیں پایا جاتا بلکہ وہ پنر جنم کا قائل ہے لیکن یہ عقیدہ بھی ویدوں سے ثابت نہیں ہے بلکہ خود وید کے

بعض منتروں سے اسکے برعکس عقیدۂ آخرت کی تائید ہوتی ہے۔ رگ وید میں ہے۔ :۔ سورگ کے حصول کی جدو جہد کرو تاکہ آگ کی قدر پہچان سکو جیسا ہجرت اور انکو رات پر شو یہ جیسا دونوں زندگی پر یقین رکھتے تھے (۱/۱۱/۲۰/۱۰)۔

رگ وید ہی کا ایک دوسرا منتر ہے :جب میں تمہیں ابدی کھانا تناول کرنے کی اجازت دوں تو اسے گئی تو ان لوگوں میں شامل ہو جا جو ابدی اور لازوال زندگی کے حصول کی جدو جہد میں لگے ہوئے ہیں۔ (۱/۹/۴۴/۵)۔

عورتوں کے متعلق احکامات :۔ رگ وید میں ہے کہ :۔

۱۔ عورتوں کے ساتھ محبت نہیں ہو سکتی۔ عورتوں کے دل کی اصلیت بھیڑیوں کے جیسے ہیں۔ (۱۰/۹۵/۵/)

۲۔ اندر (دیوتا) نے خود کہا ہے کہ عورت کا دل استقلال سے خالی ہے اور قول کی رو سے ایک نہایت ہلکی شئی ہے۔ (منڈل ۸، سوکت ۳۳، منتر ۲)۔

۳۔ عورت اور شودر دونوں کو زرو جہین (مال و دولت سے محروم کیا گیا ہے) (یجر وید ادھیائے ۸: منتر)

۴۔ لڑکی باپ کی جائداد کی وارث نہیں۔ (اتھر وید کانڈ ا، سوکت ۷، منتر ۱)

(۵) جن لڑکوں کے بھائی نہ ہوں انکی شادی نہیں ہو سکتی۔ (اتھر وید کانڈ ا، سوکت ۷، منتر ۱)

ویدک ادب کی ان تعلیمات کے برعکس اسلام عورت کو معاشرے میں جائز مقام دیتا ہے اور اسکے بنیادی حقوق (یعنی حق ملکیت، حق تعلیم، حق رائے) کا تعین کرتا ہے انکو ترکہ میں حصہ دلاتا ہے اور بیوہ عورت پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔

وید اور ذات پات :۔ ہندو دھرم میں ذات پات کی تقسیم کی بنیاد رگ وید کے اس منتر پر ہے :۔ "ذات باری نے برہمنوں کو اپنے منھ سے، چھتری کو اپنے بازاں سے، ویش کو پنڈلیوں سے اور شودر کو اپنے پاؤں سے پیدا کیا ہے"۔ (۱۰/۹۰/۱۲)

ویدوں میں برہمنوں کو اسقدر فوقیت دی گئی ہے گویا کہ وہ مسئولیت سے پرے ہیں۔ چنانچہ اتھر وید میں ہے۔

"اگر کسی عورت کے دس خاوند ہیں مگر اسکے بعد برہمن اس کا ہاتھ پکڑے تو وہ برہمن کی ہو جاتی ہے،

برہمن ہی اس کا خادم ہے نہ کھتری نہ ویش۔ تمام لوگوں میں اس امر کا اعلان کرتا ہوں سورج ہر روز چمکتا ہے۔ (۲۸/۱۵، سوکت ۷۱، منتر ۸-۹)

ویدوں کی اخلاقی تعلیم:-

وید کے بعض منتر صفائے قلب اور قول و فعل میں صداقت و شرافت پیدا کرنے والے خیالات پر مشتمل ہیں۔ اس قبیل کے چند اشلوک ملاحظہ ہوں۔

(۱) تمام اشیاء مجھے دوست خیال کریں میں بھی تمام اشیاء کو دوست سمجھوں۔ (یجر وید)

(۲) آؤ ہم سب ایک دوسرے کی حفاظت کریں سب مل کر کھائیں پئیں، مل جل کر بہادرانہ کام کریں اور ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔

(۳) خواہ میں زمین پر ہوں یا آسمان پر خدا کرے صداقت کا فرشتہ ہمیشہ ہمارا نگہبان ہو۔

(۴) اے قادر مطلق تمام امراض اور ناپاک خیالات کو نکال دشمنی کے تمام خیالات کو ہم سے دور رکھ۔ (رگ وید)

(۵) میں ہر شخص سے محبت کروں خواہ وہ ذلیل ہو یا شریف۔ (اتھروید)

(۶) ایک دوسرے سے ایسے جوش و محبت سے پیش آؤ جیسے ایک گائے اپنے بچھڑے سے۔

(۷) اے بیٹی اپنے والدین کی مطیع ہو اپنے خاوند سے ہمیشہ لطف آمیز کلمات میں کلام کرو۔ (اتھروید)

(۸) بھائی اپنے بھائی سے نفرت نہ کرے، بہن بہن پر نامہربان نہ ہو، نیک نیتی کے ساتھ ایک دوسرے سے گفتگو ہو۔ (اتھروید)

(۹) پہلے مہمان کو دے تو۔ اس کی مہمان نوازی کرلو تو خود کھاؤ۔ (اتھروید)

(۱۰) طمانچے کا جواب طمانچے سے نہ دو، سراپ کے بدلے سراپ نہ دو بلکہ طمانچوں اور بد دعاؤں کے بدلے دعاؤں کی بوچھار کردو۔ (رگ وید)

یہ ہیں ویدک ادب کے وہ چند اشلوک جو قارئین کے سامنے علم اخلاق کے انتہائی اعلیٰ اصول پیش کرتے ہیں۔ جس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ وید یا تو الہامی رہے ہوں گے یا کسی الہامی کتاب سے اس کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہوگا۔

۲۔ اپنشد

لغوی معنی: اپنشد کے لغوی معنی حصول علم کے لئے استاد کے پاس بیٹھنے کے آتے ہیں۔ یہ ویدوں کی تفسیریں ہیں جن میں مختلف روحانی علوم اور ان کے سادھوؤں اور راہبوں کے روحانی و باطنی تجربات ہیں جنھوں نے ریاضت اور نفس کشی کو اپنا شیوہ بنایا اور کائنات کے اسرار و رموز کی معرفت کے لئے جنگلوں اور بلند و بالا پہاڑوں کو اپنا جائے استقرار بنایا تاکہ موت کی حقیقت پر غلبہ پا کر دوسری زندگی میں لازوال مسرتوں کو پاسکیں۔

اپنشد کی اہمیت

ہندوستانی علم حقیقت اور مذہبی اصولوں کا سرچشمہ ہونے نیز ویدک دھرم کے علم حقیقت کو قائم کرنے اور راستہ کام بخشنے والے گرنتھ بھی اپنشد مانے گئے ہیں۔ اپنشد ایسا سرچشمہ تصور کئے جاتے ہیں جن سے علم کی مختلف نہریں نکلی ہیں۔ ہندوستانی تصوف اور یورپی عیسائی ریاضت و نفس کشی کا ماخذ و منبع بھی اپنشد رہے ہیں۔

مؤلف اور زمانہ تالیف

اپنشد چھٹی صدی قبل مسیح سے اکبر کے دور حکومت تک لکھے جاتے رہے۔ اکبر کے دور میں "اللہ اپنشد" لکھا گیا جس میں الوہیت سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے مؤلف مجہول ہیں۔

اپنشدوں کی تعداد

اپنشدوں کی اصلی تعداد میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مکتیو اپنشد کے مطابق اپنشدوں کی تعداد ۱۰۸ ہے۔ لوھر و دیا ادیبر یری مدراس نے آخر میں غیر مطبوعہ اپنشدوں کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے جس سے اپنشدوں کی تعداد ۲۰۰ کر ۲۲۰ ہوگئی ہے۔ ان میں سے ۱۰۸ اپنشد، پنڈت شری رام شرما کی تحقیق تعلیق کے ساتھ بریلی سے شائع ہوئے ہیں۔ انھوں نے انھیں تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ گیان کھنڈ (علم کا باب)   ۲۔ برہما ودیا کھنڈ (برہما کا علم)   ۳۔ سادھنا کھنڈ (علم یوگا)

معتبر و مستند اپنشد بارہ مانے گئے ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

1.ISHAVASYA 2.KEN 3.KATH 4.PRASHNA 5.MUNDUKYA 6.MANDUKYA 7.ETREY 8.TETEREY 9.CHANDOKYA 10.BRIHDARYAK 11.KOSHTHAKI 12.SHWETASHWATER

ان اپنشدوں کی تفسیر و تشریح شنکر آچاریہ، رامانج، مبارک مدھیہ اور ولبھ نے اپنے نقطۂ نظر سے کی ہے۔

اپنشدوں کا موضوع

وہ اپنشد جو عہد قدیم میں لکھے گئے ہیں ان میں کائنات میں غور و فکر اور اس کے اسرار سے بھی بحث کی گئی ہے اور جو بعد کے ادوار میں لکھے گئے ہیں ان میں برہما کی حمد کی اور ویدی فرائض کی بجا آوری پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

اپنشدوں میں "انا الحق" یعنی لفظ "اوم" کے اسرار سے بھی بحث کی گئی ہے اور اسی اپنشد سے حسین بن منصور الحلاج اور سرمد صوفی نے متاثر ہو کر "انا الحق" یعنی میں ہی حق یعنی خدا ہوں کا نعرہ بلند کیا تھا۔

اپنشدوں میں بعض ایسی گہری حکمتیں بھی ملتی ہیں جو دلوں کو چھوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ دارا شکوہ ان سے بے حد متاثر ہوا۔ ان کا فارسی ترجمہ کیا جو "سر اکبر" کے نام سے موسوم ہے اسی فارسی ترجمہ کو فرانسیسی سیاح برنیر اپنے ساتھ فرانس لے گیا جہاں ۱۸۰۱ء اور ۱۸۰۲ء میں یہ ترجمہ فرانسیسی اور لیٹن زبان میں شائع ہوا جس سے جرمن کا مشہور فلسفی شوپنہار کافی متاثر ہوا اور اس نے انھیں پلیٹو اور کانٹ کے بعد اپنے تیسرے گرو کا مقام دیا۔

اپنشد کی تعلیمات

اپنشدوں میں جو مذہبی عقائد بیان کئے گئے ہیں ان کا مختصر ذکر درج ذیل ہے۔

برہما یا خدا: برہما ہر شئی پر محیط ہے اس کا جسم تمام اجسام کا مجموعہ ہے اس کا دماغ تمام دماغوں کا مجموعہ ہے۔ سب کے ہاتھوں سے وہ کام کرتا ہے۔ سب کے پیروں سے چلتا ہے۔ سب کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ سب کے کانوں سے سنتا ہے۔

تخلیق کائنات

اپنشدوں میں بیان کیا گیا ہے کہ خالق کسی خارجی مادے سے دنیا کو پیدا نہیں کرتا بلکہ خود اپنے اندر سے پیدا کرتا ہے۔ جس طرح مکڑی جالا بنتی ہے پودے زمین سے اگتے ہیں۔

روح

ایک جگہ آتما (انفرادی روح) اور برہما (آفاقی روح) کا تعلق بیان کیا گیا ہے۔ "جیسے

چھوٹی چھوٹی چنگاریاں آگ سے اڑتی ہیں اسی طرح سے آسمان سے تمام عالمین، دیوتا، ارواح حیوا اور کل زندہ مخلوق برآمد ہوئی۔"

ادراک حقیقت

محدود ذہن لامحدود حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ حقیقت آتما روح سے ملتی ہے اس کے لئے برت (روزہ) رکھنے، گیان دھیان (مراقبہ) کرنے پانی پر گزارہ کرنے، خاموشی اختیار کرنے جیسے اعمال سے انفرادی روح برہمان کا ادراک کر سکتی ہے۔

تناسخ یا آواگون

برہما تمام کائنات کی روح تو ہے لیکن ہندو کسی کو نجات دیتی ہے نہ سزا۔ انسان دنیا میں اپنے پاپوں (گناہوں) کی وجہ سے بار بار جنم لیتا ہے۔ اگر گنہگار ہے تو اس کی روح جانوروں کتے، سور بلی وغیرہ میں چلی جاتی ہے۔ تناسخ یا آواگون کا چکر جاری ہے اس کو توڑ کر مکتی (نجات) مل سکتی ہے۔

پران

پران کے لغوی معنی ہیں قدیم اور پرانے قصے اور کہانیاں۔ ان میں تاریخ اور مشاہیر کی سوانح حیات ہیں۔ گہرے اور عمیق مسائل کو عام فہم حکایات کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

مؤلف: ہندوؤں کے نزدیک اس کتاب کے مؤلف وید ویاس جی ہیں جنھوں نے ویدوں کے بعد اسے مرتب کیا۔ اس ایک پران سے ویاس کے شاگردوں نے چار پران بنا لئے۔ اس کے بعد ان کی تعداد اٹھارہ، پھر چھتیس اور ۳۶ سے بڑھ کر ۴۵ اور پھر ساٹھ اور پھر ۱۰۸ سے بھی زائد تک جا پہنچی۔

پران کی اہمیت

پران ہندوؤں کی مقدس کتب کا نہایت اہم اور ناگزیر حصہ ہیں وہ بنیادی طور سے ویدوں میں بیان کی ہوئی روحانی صداقتوں کی توسیعات اور ان کی تمثیلی تشریحات ہیں۔ اہمیت کے اعتبار سے ویدوں کے بعد ان کا مقام سمجھا جاتا ہے اور مہابھارت کی طرح انھیں پانچواں وید، عوام کا وید اور اتنا ہی قدیم مقدس خیال کیا جاتا ہے جتنے خود وید ہیں۔

پرانوں کے محتویات

ہر پران میں مندرجہ ذیل پانچ بنیادی صفات یا موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ ۱۔ مسئلہ

تخلیق، ۲۔ پیدائش، ۳۔ دیوتاؤں اور انکار کا شجرۂ نسب، ۴۔ مختلف منونوں کے ممالک اور ادوار حکومت، ۵۔ سورج بنشی اور چندر بنشی کے بادشاہوں کے احوال۔

نیز مذکورہ بالا امور کے علاوہ ان میں متفرق موضوعات پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ فرقہ وارانہ دیومالائی کہانیوں سے لبریز نصائح آمیز باتوں کا مرقع ہیں۔

تعداد

پرانوں کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اصل پران اٹھارہ ابواب پر مشتمل رہا ہوگا۔ اور پھر اس کے ہر باب کو علیحدہ کر کے اٹھارہ مستقل پران بنائے گئے اور پھر اس میں ہزار اضافہ ہوتا رہا البتہ ہندو علماء کے نزدیک صرف درج ذیل اٹھارہ پران ہی زیادہ مستند مانے جاتے ہیں:

۱۔ برہم پران ۲۔ پدم پران ۳۔ وشنو پران ۴۔ شیو پران
۵۔ شریمد بھگوت پران ۶۔ نارد پران ۷۔ مارکنڈے پران ۸۔ اگنی پران
۹۔ بھوشیہ پران ۱۰۔ برہم ویورت پران ۱۱۔ لنگ پران ۱۲۔ وراہ پران
۱۳۔ اسکند پران ۱۴۔ وامن پران ۱۵۔ کورم پران ۱۶۔ متسیہ پران
۱۷۔ گروڑ پران ۱۸۔ برہمانڈ پران

ان میں سب سے زیادہ مقبول عام بھگوت پران ہے۔ یہ سب سے زیادہ عوامی چیز ہے اور ہندو اس کو انتہائی احترام کے قابل خیال کرتے ہیں۔ یہ اتنی مقدس خیال کی جاتی ہے کہ بہت سے راسخ العقیدہ ہندوؤں کے گھروں میں کتاب مقدس کی حیثیت سے اس کی روزانہ تلاوت کی جاتی ہے۔

پرانوں میں اختلافات

پران اپنی موجودہ شکل میں باہم ایک دوسرے سے مختلف و متضاد ہیں یہاں تک کہ کسی پران کے دو نسخے بھی باہم یکساں نہیں ہیں جیسے 'شیو پران' میں شیووں نے شیو کو پرمیشور مان کر وشنو، برہما، اندر، گنیش اور سوریہ وغیرہ کو اس کا غلام قرار دیا ہے۔ وشنوؤں نے وشنو پران وغیرہ میں وشنو کو پرمیشور مانا شیو وغیرہ کو وشنو کا غلام قرار دیا ہے۔ دیوی بھاگوت میں دیوی کو

پرمیشوری اور شیو و وشنو وغیرہ کو اس کا غلام بنایا۔ گنیش کھنڈ میں گنیش کو پرمیشور اور باقی سب کو غلام بنایا ہے۔ غور کیجئے اگر ایک بات کو سچی مانیں تو دوسری کو جھوٹی اور دوسری کو سچی مانیں تو تیسری کو جھوٹی اور اگر تیسری کو سچی مانیں تو باقی سب جھوٹ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح شیو پران والے نے شیو سے، وشنو والے نے وشنو سے، دیوی پران والے نے دیوی سے، گنیش کھنڈ والے نے گنیش سے، سورج پران والوں نے سورج سے اور وایو پران والوں نے وایو سے دنیا کی پیدائش اور پرلے لکھ کر ان میں سے جس کو عالم کی علت قرار دیا، اس کی پیدائش کی علت کسی اور کو ٹھہرا دیا۔ اگر کوئی پوچھے کہ جو عالم کی پیدائش، قیام اور پرلے کرنے والا ہے وہ پیدا ہو سکتا ہے؟ اور جو پیدا ہونے والی چیز ہے وہ جہان کی علت بھی ہو سکتی ہے؟ تو صرف چپ رہنے کے بدوں کچھ بھی نہیں کہہ سکیں گے۔ اور ان سب کے جسم کی پیدائش بھی ضرور ہوئی ہوگی پھر وہ خود مخلوق اور محدود ہونے کے باعث دنیا کی پیدائش کرنے والے کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ (دیکھئے ستیارتھ پرکاش باب ۱۱ ص ۷ ۳)

تخلیق عالم کی پیدائش کے تعلق سے بھی پرانوں کی روایات متضاد اور باہم دگر متناقض ہیں۔ نیز مذکورہ بالا امور کے علاوہ بھی پرانوں کی حکایات باہم دگر متناقض، بے معنی اور بے شرمی سے پر ہیں تفصیلات کے لئے دیکھئے ستیارتھ پرکاش باب گیارہ (مارکنڈے پران اور بھاگوت پران کی گپیں) صفحہ ۳۲۴

ہندو سماج پر پرانوں کے اثرات

ہندو دھرم کی اصل بنیاد تو وید ہیں لیکن پران اس بنیاد کو مستحکم بناتے ہیں۔ پرانوں کے ذریعہ مذہب میں دلآویزی، دلچسپی پیدا ہوئی اور خشک کرم کانڈ بھگتی رس سے سرسبز ہو سکا۔ پرانوں کے ذریعہ بودھ، جین مت اور دوسرے فلسفیانہ فرقوں کے عوام پر پڑنے اثرات کو زائل کرنے میں کامیابی ملی۔ پرانوں میں بتایا گیا ہے کہ بودھوں نے تو ساری باتیں ویدوں ہی سے لی ہیں اور ان کے اعمال ویدک اعمال ہیں۔ مہاتما بدھ کے بارے میں پرانوں میں اعلان کر دیا گیا کہ وہ بھی وشنو کے اوتار ہیں۔ بدھ مت کی بعض خاص چیزیں بھی ہندو مذہب میں داخل کر لی گئیں۔ مثلاً عدم تشدد، جانوروں کو نہ مارنا، سادہ خوراک کھانا جس میں گوشت نہ ہو اور دنیا سے بے نیازی وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدھ مت کا ایک طرح سے زوال ہو گیا۔☆☆

فقہ و فتاویٰ

مولانا ولی اللہ قاسمی

سوال: موجودہ دور میں جو کہ فتنوں کا زمانہ ہے، حالت احرام میں عورتوں کے چہرہ ڈھکنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: حالت احرام میں عورت کے لئے چہرے کو کھلا رکھنا ضروری ہے، کیوں کہ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے ارشاد نبوی ہے کہ "احرام المرأة فی وجهها" عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے۔(اخرجه الطبراني والدار قطني، الدراية علی حاشیة الهداية ۲۲۵/۱) البتہ بے پردگی سے بچنے کے لئے سر کے اوپر سے کوئی کپڑا اس طرح لٹکا لیا جائے کہ چہرے سے لگنے نہ پائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔(دیکھئے الهداية ۲۳۵/۱)چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ: كان الركبان يمرون بنا و نحن مع رسول الله ﷺ محرمات فإذا حاذوا بنا سدلت احدانا جلبابها من رأسها على وجهها فإذا جاوزنا كشفنا.(رواه ابو داؤد وابن ماجه، الدراية على هامش الهداية ۲۳۵/۱)

سوال: حجر اسود میں بالعموم عطر لگا ہوتا ہے، حالت احرام میں بوسہ لینے یا چھونے کی وجہ سے عطر لگ جانے کا قوی امکان ہے، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

جواب: حجر اسود پر خوشبو لگانا ضروری اور ناگزیر ہے کیوں کہ خوشبو نہ لگائی جائے تو بار بار چومنے اور چھونے کی وجہ سے اتنی بدبو پیدا ہو جائے گی کہ قریب جانا مشکل ہو جائے گا، دوسری طرف حجر اسود کو بوسہ لینے کی بڑی اہمیت ہے۔ نیز اس سے ایک جذباتی لگاؤ بھی ہے اس لئے ایسی صورت میں بھی بوسہ لینا چاہئے البتہ اس کی وجہ سے کم خوشبو لگے تو صدقہ اور اگر زیادہ لگ جائے تو دم واجب ہے۔

(دیکھئے المبسوط ۱۲٤/٤ للسرخسي، البدائع ۱۹۱/۲ للكاساني)

سوال: بارہ ذی الحجہ کو حجاج منیٰ میں اپنے خیموں سے نکلے، ٹریفک جام ہو گئی اور حدود منیٰ کے اندر ہی آفتاب غروب ہو گیا کیا ایسے شخص کے لئے منیٰ میں تیرہ ذی الحجہ کا قیام واجب ہے؟

جواب: مذکورہ صورت میں تیرہ ذی الحجہ کا قیام واجب نہیں ہے، تیرہویں ذی الحجہ کے طلوع صبح سے پہلے تک منیٰ سے کوچ کرنا درست ہے، لیکن منیٰ میں تیرہویں ذی الحجہ کی صبح طلوع ہو جائے تو پھر قیام واجب ہے۔ البتہ مذکورہ صورت میں منیٰ کے اندر قیام بہتر اور پسندیدہ ہے۔(فتح القدير ٤٩٩/٢ اور رد المختار ١٨٥/٢)

سوال: شریعت میں احرام کھولنے کے لئے حلق اور قصر دونوں کی اجازت ہے، تو قصر میں سر کے کتنے حصے اور کتنی مقدار میں بال کاٹنا ضروری ہے؟

جواب: سر کے ایک چوتھائی حصے کو انگلی کے پور کے بقدر کاٹنا ضروری ہے اور اگر بال بالکل چھوٹا ہو کہ انگلی کے پور کے بقدر کاٹا نہ جا سکتا ہو تو ایسی حالت میں مونڈنا واجب اور ضروری ہے۔(دیکھئے الهندية ۲۳۱/۱، رد المختار ۱۹۷/۲)

سوال: ان دنوں حجاج کی کثرت کی وجہ سے جمرات پر بہت ہجوم اور ازدحام ہوتا ہے اور بعض دفعہ افراتفری کی صورت میں کپڑے پھٹ جاتے ہیں اور بے پردگی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، ایسی حالت میں عورتوں اور کمزور لوگوں کے لئے دوسروں کے ذریعہ رمی کرانے کی گنجائش ہے؟

جواب: معذور اور کمزور کے لئے دوسروں کے ذریعہ رمی کرانے کی گنجائش ہے، عورتوں کے لئے بہتر ہے کہ وہ رات میں کسی وقت رمی کر لیں اور اس وقت بھی ہجوم کی وجہ سے موقع نہ ملے تو پھر ان کے لئے بھی دوسروں کے ذریعہ رمی کرانے کی اجازت ہے۔ کیوں کہ یہ ان کے لئے ایک طرح سے عذر ہے۔(دیکھئے البدائع ۱۳۷/۲، رد المحتار ۱۹٦/۲)☆

جامعہ کے لیل ونہار

ادارہ

ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی صاحب کا خطاب

ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی صاحب (ڈائریکٹر شعبہ دعوت۔ امریکہ) ۱۰؍۱؍۲۰۰۱ء کو جامعہ تشریف لائے تو ان کے دعوتی تجربات سے استفادہ کے لئے ابو الیث ہال میں آپ کے ایک خطاب کا اہتمام کیا گیا۔ موصوف نے امریکی معاشرہ میں دعوت اسلامی کے روشن امکانات پر طویل گفتگو کی۔ آپ نے بتایا کہ وہاں کے لوگ تحقیق و تجسس کے عادی اور مذہبی، گروہی عصبیتوں سے نسبتاً آزاد ہیں اس لئے اگر ان کو حق سمجھ میں آجائے تو اس کے قبول واظہار میں کوئی سماجی یا مذہبی رکاوٹ حائل نہیں ہو پاتی ہے۔ امریکی معاشرہ میں خصوصاً عورتوں کے لئے اسلام کے خاندانی نظام میں بڑی کشش ہے اور اگر امریکی عورتوں کے دلوں میں ان کی مظلومیت دلے بسی کا یقین پیدا کر دیا جائے اور اسلامی معاشرہ کی اس اہم خوبی (مضبوط خاندانی نظام) کا عمدہ انداز میں ذکر کیا جائے تو ایک بڑی تعداد دین حق کو قبول کر سکتی ہے۔

پروفیسر اختر الواسع صاحب کا لکچر

پروفیسر اختر الواسع صاحب اعزازی چیرمین ذاکر حسین انسٹیٹیوٹ، جامعہ ملیہ دہلی ۱۱؍۲؍۲۰۰۱ء کو جامعۃ الفلاح تشریف لائے تو آپ سے استفادہ کے لئے ابو الیث ہال میں "ماحولیاتی تطہیر...... اسلامی موقف" کے عنوان سے ایک لکچر کا اہتمام کیا گیا۔ موصوف نے ماحولیاتی تطہیر کے تئیں اسلامی موقف کی بڑی ہی عمدہ ودلکش انداز میں تشریح کی۔ آپ نے بتایا کہ مسلمان ابتدا ہی سے اسلام ہی سے صفائی ستھرائی سے متعلق ان طریقوں اور تدبیروں سے واقف تھے جنھیں آج سائنسی تدابیر اور تصورات سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے بہت سے

معمولات جدید دور کے ماحولیاتی انضباط کے اصولوں سے ہم آہنگ ہیں۔

جامعہ کے دو اساتذہ حج بیت اللہ کے لئے روانہ

جامعہ کے دو بزرگ استاد مولانا شبیر احمد صاحب اصلاحی اور ماسٹر منور علی صاحب امسال فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ روانگی سے قبل ان کے اعزاز میں ۷؍۲؍۲۰۰۱ء کو ابو الیث ہال میں ایک نشست ہوئی۔ صدر جامعہ جناب مولانا طاہر صاحب مدنی نے مختصراً حج کے مقاصد اور اس کے فوائد پر روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا: حج ایک اہم ترین عبادت ہے اور اس کے گوناگوں فوائد ہیں۔ یہ جسمانی عبادت بھی ہے مالی عبادت بھی نیز امت مسلمہ کا عالمی اجتماع بھی۔ جہاں امت اسلامیہ کی اخوت کا بے مثال مظاہرہ ہوتا ہے۔

مہتمم تعلیم وتربیت مولانا رحمت اللہ اثری صاحب نے فرمایا: حج ایک جامع عبادت ہے۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں نماز بھی ہے، روزہ بھی ہے اور زکوٰۃ بھی ہے جسم وروح کا ساتھ بھی ہے نیز پوری دنیا کے مسلمانوں کے اتحاد و یگانگت کا ایک عظیم مظہر بھی ہے۔ اس کی افادیت واہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگا ئیں کہ ایک مسیحی رپورٹ کے مطابق: مسلمانوں کے پاس چار چیزیں جب تک باقی رہیں گی اس وقت تک عیسائی مشنریوں کی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ قرآن کریم، ازہر شریف (یعنی مدارس اسلامیہ)، جمعہ اور حج۔ مولانا نے حج کے لئے روانہ ہونے والے دونوں اساتذہ سے مقدس مقامات پر دعاؤں میں یاد رکھنے اور جامعہ کے لئے حج کی کوئی معین یادگار لانے کی درخواست کی۔

۲۰۰۰ء کے ممتاز طلبہ

حسب اعلان امسال ناظم امتحانات جناب مولانا انصار احمد صاحب فلاحی تمام ہی درجات کے نتائج وقت مقررہ پر (۲۵؍نومبر ۲۰۰۰ء) منظر عام پر لانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ جو ایک خوش آئند قدم ہے۔ منظر عام پر آئے ہوئے ان نتائج کی رو سے امسال جن طلبہ نے امتیازی نمبرات حاصل کئے ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے:

پوزیشن لانے والے طلبہ وطالبات کی فہرست

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ

عربی ہشتم

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
عبد المودود، اڑریہ کوسٹ بہار	معراج احمد، کشمیر	اطہر علی، روتہٹ نیپال

عربی ششم

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
ابو الکلام، بہار	فاروق احمد شیخ، کشمیر	شاہد سہیل، سدھارتھ نگر

عربی پنجم

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
محمد تبریز عالم، مشرقی نیپال	جاوید میر، ریکواڑ کشمیر	ابو الجواد، مہراج گنج
	وسیم اختر، مدھوبنی بہار	

عربی چہارم

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
نجم الہدیٰ، مدھوبنی بہار	عبد الرحمن، اورنگ آباد بہار	ذیشان اختر، مدھوبنی بہار

عربی سوم

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
نور عالم، ضلع بہرائچ یوپی	محمد سلیم صدیقی	عرفان احمد، مالیگاؤں مہاراشٹر

عربی دوم

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
محمد ریاض الدین، گوپال گنج بہار	رضوان شاہد، [illegible] بہار	رضوان الدین، [illegible]

عربی اول

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
انوار الرحمن، ضلع مہراج گنج	مجاہد بشیر، ریاسی کشمیر	محمد افتخار، سیوان بہار

طالبات

فضیلت آخری

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
بی بی ریحانہ، اعظم گڑھ	عزیزہ فاطمہ، سلطان پور	خالدہ، [illegible] سیوان بہار

فضیلت اولیٰ

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
شگفتہ پروین، مظفر پور بہار	صادقہ تبسم، [illegible] مئو	[illegible]

عالمہ پنجم

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
[illegible]، اعظم گڑھ یوپی	شمیمہ [illegible]، کشمیر	شمع افروز، [illegible]
		کشور [illegible] بہار

عالمہ چہارم

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
روشن پروین، ارریہ بہار	مجیدہ [illegible]	مریم [illegible]، مہراج گنج

عالمہ سوم

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
عائشہ صدیقہ، [illegible]	عائشہ [illegible]، اعظم گڑھ	[illegible]، اعظم گڑھ

عالمہ دوم

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
[illegible]، اعظم گڑھ	گلشن سلام، ارریہ بہار	[illegible] علی، [illegible]

عالمہ اول

فرسٹ	سکنڈ	تھرڈ
کائنات پروین	[illegible]، ارریہ بہار	[illegible]

☆☆☆

جمعیۃ الطلبہ کا انتخاب

حسب معمول ۲۰ر فروری کو جمعیۃ الطلبہ کے ذمہ داروں کا انتخاب عمل میں آیا اور درج ذیل طلبہ منتخب ہوئے۔

سکریٹری جمعیۃ الطلبہ	[illegible]
لائبریرین	وسیم اختر
معتمد ضیافت	فیروز احمد
معتمد تحریر	شاکر اعظم
معتمد رسائل وجرائد	پرویز اختر
گیم انچارج	محفوظ عالم

اللہ تعالیٰ جملہ ذمہ داروں کو اپنے فرائض حسن وخوبی انجام دینے کی توفیق دے۔

اظہار تعزیت

یہ خبر دیتے ہوئے ہمیں بے حد تکلیف ہو رہی ہے کہ استاذ محترم جناب مولانا سلامت اللہ صاحب اصلاحی اور مولانا [illegible] اللہ صاحب [illegible] کی والدہ محترمہ آسمان کی مغفر

سمیہ تجالی صاحب کی دادی ۵ر فروری کو سات بجے شام میں اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ إنا لله و إنا إليه راجعون۔ موصوفہ صوم صلوۃ کی انتہائی پابند تھیں۔ ادھر کئی سالوں سے علیل چل رہی تھیں۔ ۶ر فروری کو چار بجے احاطۂ جامعہ میں مولانا سلامت اللہ صاحب اصلاحی نے نماز جنازہ پڑھائی اور جامعہ سے متصل قبرستان میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

ادارہ حیات نو پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور خدا سے دعا کرتا ہے کہ وہ انھیں صبر جمیل کی توفیق بخشے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

ایسے ہی یہ خبر بھی متعلقین جامعہ کے لئے باعث رنج و غم ہوگی کہ محترم ماسٹر شمشاد صاحب ساکن بنگائی پور سابق ناظم مطبخ کی والدہ محترمہ ۲۵ر فروری کو اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ موصوفہ دیندار اور صوم و صلوۃ کی پابند تھیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

یہ خبر بھی ہمارے لئے بے حد تکلیف دہ ہے کہ کیمسٹری ٹیچر جناب ماسٹر جاوید احمد صاحب کے والد محترم ۲۶ر فروری کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ ۲۷ر فروری کو مرحوم کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ مرحوم دیندار اور صوم و صلوۃ کے پابند تھے۔ اللہ رب العزت ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

اعلان تعطیل

دفتر اہتمام سے اعلان شدہ خبر کے مطابق تعطیل عید الاضحیٰ کا آغاز ۵ر مارچ دوشنبہ سے ہوگا اور ۱۱ر مارچ کو تعطیل ختم ہوگی اور ۱۲ر مارچ بروز دوشنبہ حاضری لازم ہوگی۔ ٭٭٭

روداد انجمن

محمد اکرم فلاحی
سکریٹری یونٹ

تعزیتی نشست

> قطر میں مقیم فلاحی برادران کی تعزیتی نشست کی یہ کارروائی کافی تاخیر سے موصول ہوئی لیکن چونکہ اس کا راست تعلق تاریخ سے ہے جو کبھی پرانی نہیں ہوتی اس لئے اسے ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔

الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام على رسوله الكريم أما بعد! قطر میں مقیم فلاحی برادران نے مرحوم حضرت مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحی کے انتقال پر ملال کی خبر بڑے رنج و غم کے ساتھ سنی۔

یکم رمضان المبارک کو فلاحی برادران کی ایک نشست اس مناسبت سے مرکز دعوۃ ہند دوحہ قطر میں منعقد ہوئی۔ برادر مکرم جناب مولانا عبد الحلیم صاحب فلاحی نے اس موقع پر تعزیتی و تذکیری کلمات پیش کیے۔ آپ نے قرآن مجید کی اس آیت "كل نفس ذائقة الموت" سے اپنی بات کا آغاز کیا۔ آپ نے فرمایا "استاد محترم مسلسل تین ماہ سے مریض تھے۔ آپ کو فالج کا اثر ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ۱۲ر نومبر کو انتقال کر گئے۔

استاد محترم کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "کہ آپ نماز باجماعت کی پابندی فرماتے اور فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل کا اہتمام فرماتے تھے۔ مولانا محترم ہم سب کے استاذ رہے اور فلاح کے اندر آپ کی ایک انفرادی حیثیت تھی۔ طلبہ کے لئے بہت ہمدرد اور مخلص تھے۔ آپ کے اندر جرأت مندانہ صلاحیت تھی جس کی وجہ سے اپنے فیصلے اپنے طور پر کرتے۔ ان کا کوئی مخالف نہیں تھا اور سب کی نگاہ میں ہر دلعزیز اور محترم شخصیت تھے۔ مولانا فقہ و حدیث کے استاذ تھے بالخصوص فلسفہ اور منطق کے ایک ماہر استاذ تھے۔ جس انداز سے آپ ان مضامین کو پڑھاتے وہ خود آپ میں ایک مثال تھے۔

مرحوم محترم ان قدیم اصلاحی فارغین میں سے تھے جو طالب علمی کے زمانہ سے ہی جماعت اسلامی سے منسلک ہو گئے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں تدریس کا کام انجام دیتے رہے۔ چند دنوں کے اندر ہی جامعۃ الفلاح کا قیام عمل میں آگیا اور آپ جامعۃ الفلاح تشریف لے آئے۔ آپ جامعۃ الفلاح کے بانیوں میں سے تھے۔ تقاعد کے بعد بھی آپ نسواں میں تدریس کا کام بغیر کسی اجرت کے کرتے رہے۔ مولانا محترم کے لئے یہ اعزاز کی بات تھی کہ آپ نے جامعۃ الفلاح سے ہمیشہ اپنا تعلق بنائے رکھا۔ آپ کی زندگی سادگی کی ایک علامت تھی۔ مدرسین کے کپڑے بغیر پریس کے پہنتے تھے۔ آپ کی سادگی کا ایک مجسمہ تھے۔

آخر میں برادر مکرم و محترم جناب مولانا عبدالحلیم صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگوں کو بھی مولانا کے اسوہ سے سبق حاصل کرنا چاہئے تاکہ جب ہم اس دنیا سے رخصت ہوں تو دوسروں کے لئے اچھا اسوہ چھوڑ کر جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ وقتاً فوقتاً صحابہ کرامؓ کو نصیحت فرماتے تو موت کو یاد دلاتے رہتے تھے۔ ہم لوگ اس دنیا کی عیش و عشرت کے لئے ساری تیاری کر چکے ہیں لیکن آخرت کے لئے ہم نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت عثمان علیہ السلام کی حالت یہ تھی کہ آپ قبر میں جاکر سو جایا کرتے تھے اور موت کو یاد کرتے تھے۔ اس لئے جو موقع ہمیں اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا ہے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

آخر میں مکرم و محترم جناب مولانا عرفان احمد شمسی صاحب فلاحی نے استاذ محترم کے حق میں دعا کیا اور ہم تمام فلاحی برادران اور پسماندگان کو صبر کی تلقین کی۔ اسی دعا پر نشست اختتام پذیر ہوئی۔

***

روداد شوریٰ انجمن طالبات قدیم

۸ رجنوری ۲۰۰۱ء کو شوریٰ انجمن طالبات قدیم کی ایک میٹنگ کلیۃ البنات میں منعقد ہوئی۔ جس میں تقریباً تمام ہی ارکان شوریٰ نے شرکت کی۔ تلاوت کلام پاک سے اس نشست کا آغاز ہوا۔ سابقہ کارروائی کی خواندگی کے بعد رمضان المبارک کے مہینہ میں ارکان شوریٰ کی جانب سے مالیات کی خصوصی فراہمی کا جائزہ دیا گیا۔ اس کے لئے ارکان شوریٰ کو پہلے سے آگاہ کیا گیا تھا اور قرب و جوار کی بستیوں کو مختلف حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ مالیات کی فراہمی کے جائزے کے بعد مختلف امور زیر بحث آئے اور بہت سے فیصلے ہوئے۔ سب سے اہم اور خوش آئند فیصلہ یہ ہوا کہ کلیۃ البنات کے شعبۂ اعلیٰ اور ثانوی کی طالبات کے اندر دینی معلومات میں اضافہ کی غرض سے (اسلامک جنرل نالج) کے عنوان کے تحت ایک انعامی مقابلہ کرانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے لئے ۲۹ رمارچ ۲۰۰۱ء کی تاریخ متعین کی گئی ہے۔ اور بچیوں کو چار گروپ میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی غیر مستطیع طالبات کے لئے حصول علم کو آسان بنانے کی غرض سے ان کو کتابیں، کاپیاں اور یونیفارم وغیرہ کی فراہمی کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے لئے ۵۰۰۰ روپے کا بجٹ منظور کیا گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انجمن طالبات قدیم کو اپنے منصوبوں پر حسن و خوبی عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

☆ ☆ ☆

خاندانی نظام کے فوائد

سائنسی تحقیق سے بغیر کسی شبہ کے ثابت ہوتا ہے کہ پائدار ازدواجی اور خاندانی تعلقات معاشرتی ترقی کے لئے انتہائی ضروری ہیں۔ تحقیقات نے دستاویزی ثبوت فراہم کیا ہے کہ فطری خاندانی بندھن بچے کو بہ حیثیت بہبود کا فائدہ دیتے ہیں۔ اس میں زیادہ تعلیمی مواقع بہتر جذباتی اور جسمانی صحت، کمسنی میں لڑکیوں کی کم جنسی سرگرمی اور لڑکوں میں کم بے راہ روی شامل ہیں۔

رچرڈ جی وائٹکر

(پروفیسر آف اینڈ ڈائریکٹر دی ورلڈ فیملی پالیسی سنٹر، برگھم ینگ یونیورسٹی پرادوا، امریکہ۔

طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح متوجہ ہوں!

****

۸ تا ۱۰ فروری ۲۰۰۲ء جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ میں جامعۃ الفلاح کی مجلس شوریٰ کی جانب سے مقرر کردہ کمیٹی: محترم ریاض احمد خان صاحب (کنوینر)، محترم اشفاق احمد صاحب، محترم مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب: شیخ منیر صاحب کے زیر نگرانی انجمن طلبہ قدیم اور تنظیم طلبہ قدیم کے نمائندوں کی مختلف نشستوں میں باہمی گفتگو اور تبادلۂ خیال کے نتیجے میں الحمد للہ اتفاق رائے سے فیصلہ کیا گیا کہ ایک نظم کے تحت کام کیا جائے گا اور اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک ایڈہاک کمیٹی تشکیل دی گئی جو جامعہ کی مقرر کردہ کمیٹی کی نگرانی میں کام کرے گی۔ ایڈہاک کمیٹی کے ارکان درج ذیل ہیں:

۱۔ مولانا رحمۃ اللہ اثری صاحب ۲۔ مولانا ظہیر عالم صاحب ۳۔ مولانا ابوالکلام صاحب ۴۔ مولانا محمد عمران صاحب ۵۔ مولانا نعیم احمد غازی صاحب ۶۔ مولانا صباح الدین ملک صاحب ۷۔ ڈاکٹر عبید اللہ فہد صاحب ۸۔ مولانا مطیع اللہ صاحب ۹۔ مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب ۱۰۔ مولانا ولی اللہ سعیدی صاحب ۱۱۔ مولانا جاوید اشرف صاحب ۱۲۔ مولانا طارق فاروق قیط صاحب۔ ☆☆